اللہ اکبر

احکام قربانی

عقل ونقل کی روشنی میں

افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا، ہردوئی روڈ لکھنؤ

احکام قربانی عقل ونقل کی روشنی میں

عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت، عرفہ کا روزہ، تکبیر وتشریق اور قربانی سے متعلق احکام
اور اشکالات کے جوابات

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ



تفصیلات

نام کتاب	:	احکام قربانی عقل ونقل کی روشنی میں
مرتب	:	محمد زید مظاہری ندوی
تعداد	:	۱۱۰۰
صفحات	:	۱۶۰
سن اشاعت دوم	:	۱۴۳۱ھ

ویب سائٹ............www.alislahonline.com

ملنے کے پتے

☆ دیوبند وسہارنپور کے تمام کتب خانے

☆ مکتبہ ندویہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

☆ مکتبہ اشرفیہ، اشرف المدارس ہردوئی

☆ مکتبہ رحمانیہ، ہتورا، باندہ



اجمالی فہرست

فہرست احکام قربانی عقل و نقل کی روشنی میں

باب (۳) قربانی کی حقیقت حقائق اور واقعات کی روشنی میں

فصل

باب (۴) قربانی کا فلسفہ اور اس کا مقصد و حکمت

باب(۶) حضور ﷺ اور بزرگوں کی طرف سے قربانی کرنا

باب (۷) گائے کی قربانی کے متعلق اہم مضامین

باب (۸) تندرست جانور کی قربانی کرنے کی ترغیب

فصل : (**۳**) ذبح سے متعلق کچھ ضروری مسائل

مآخذ ومراجع

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے ان ملفوظات ومواعظ وتصانیف کی فہرست جن سے اس کتاب کی ترتیب میں استفادہ کیا گیا ہے۔

- احکام حج ملحقہ سنت ابراہم
- اشرف الجواب
- اصلاح انقلاب
- امداد الفتاوی
- بیان القرآن
- بہشتی زیور
- ترغیب الاضحیۃ ملحقہ سنت ابراہیم
- تعظیم الشعائر ملحقہ سنت ابراہیم
- تکمیل الانعام ملحقہ سنت ابراہیم
- التھذیب ملحقہ سنت ابراہیم
- حسن العزیز
- تعلیم الدین
- حیوۃ المسلمین
- خطبات الاحکام
- روح الارواح ملحقہ سنت ابراہیم
- روح الحج والثج
- زوال السنۃ عن اعمال السنۃ
- الضحایا ملحقہ سنت ابراہیم
- المصالح العقلیۃ للاحکام النقلیہ
- اصلاحی نصاب

دیگر مراجع ومآخذ جوافادات تھانوی کے ضمن میں آئے ہیں

- ابن ماجہ
- احمد
- اصبہانی
- بیہقی
- ترمذی
- الترغیب والترہیب
- مسلم شریف
- تاتارخانیہ
- حاکم
- درمنثور
- درمختار شامی
- طبرانی
- کنز العمال

دعائیہ کلمات

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فاضل عزیز مولوی محمد زید مظاہری ندوی مدرس جامعہ عربیہ ہتورا (بارک الله فی حیاته وفی افادته) نے جو حضرت حکیم الامت کے افادات وارشادات اور تحقیقات ونظریات کو مختلف عنوانوں اور موضوعات کے ماتحت اس طرح جمع کر رہے ہیں کہ حضرت کے علوم وافادات کا ایک دائرۃ المعارف انسائیکلو پیڈیا، تیار ہوتا جارہا ہے ......

ان خصوصیات اور افادیت کی بنا پر عزیز گرامی قدر مولوی محمد زید مظاہری ندوی نہ صرف تھانوی اور دیوبندی حلقہ کی طرف سے بلکہ تمام سلیم الطبع اور صحیح الفکر حق شناسوں اور قدر دانوں کی طرف سے بھی شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں۔
اور اسی کے ساتھ اور اس سے کچھ زیادہ ہی داعی الی اللہ اور عالم ربانی مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی سرپرست جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی) اس سے زیادہ شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں جن کی سرپرستی اورنگرانی ہمت افزائی او رقدردانی کے سایہ میں ایسے مفید اور قابل قدر کام اور انکے زیر اہتمام دانش گاہ اور تربیت میں انجام پارہے ہیں۔

اطال الله بقائه وعمم نفعه جزاه الله خیرا.

ابوالحسن علی ندوی
دائرہ شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلی
۱۷/ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

دعائیہ کلمات

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحبؒ باندوی

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

حکیم الامت حضرت مولانا مقتدانا الشاہ اشرف علی تھانویؒ کے بارے میں بزمانہ طالبعلمی اکابرامت نے اس کا اندازہ لگالیا تھا کہ آگے چل کر مسند ارشاد پر متمکن ہوکر مرجع خلائق ہوں گے اور ہر عام وخاص ان کے فیوض وبرکات سے متمتع ہوں گے۔ چنانچہ حضرت اقدس کے کارہائے نمایاں نے اساطین امت کے اس خیال کی تصدیق کی، کہنے والے نے سچ کہا ہے۔

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

خداوند قدوس نے حضرت والا کو تجدید اور احیاء سنت کے جس اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا تھا اس کی اس دور میں نظیر نہیں۔

آج بھی مخلوق حضرت کی تصنیفات وارشادات عالیہ اور مواعظ حسنہ سے فیضیاب ہورہی ہے۔ حضرت کے علوم ومعارف کے سلسلہ میں مختلف عنوان سے ہندوپاک میں کام ہورہا ہے، لیکن بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے عزیزی مولوی مفتی محمد زید سلمہ، مدرس جامعہ عربیہ ہتوارکو جس نرالے انداز سے کام کی توفیق عطا فرمائی اس جامعیت کے ساتھ ابھی تک کام نہیں ہوا تھا اس سلسلہ کی چاردرجن سے زائد ان کی تصانیف ہیں۔ بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اس کو قبولیت تامہ عطا فرمائے اور مزید توفیق نصیب فرمائے۔

احقر صدیق احمد غفرلہ

خادم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی)

عرض مرتب

عیدالاضحیٰ مسلمانوں کا عظیم الشان تہوار ہے جس میں وہ خوشی سے قربانی کرتے ہیں۔جس میں قربانی کرنا شعائرِ اسلام میں سے ہے، جس کا حکم قرآن وحدیث میں دیا گیا ہے اور قربانی نہ کرنے والے کے لئے حدیث پاک میں سخت وعیدیں آئیں ہیں، ایک حدیث میں آپ نے یہاں تک فرمایا: ''جو شخص قربانی کرنے کی گنجائش رکھے اور پھر بھی قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے''۔

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے قربانی کے متعلق دریافت فرمایا کہ قر بانی کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے''۔

قربانی کے ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہونے کا کیا مطلب ہے، اور اس کی تاریخ کیا ہے، قربانی حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کے کس واقعہ کی یادگار ہے جس کا ہم کو قرآن میں حکم دیا گیا ہے، اور اس واقعہ سے ہم کو کیا عبرتیں اور نصیحتیں ملتی ہیں، قربانی کی روح اور اس کا فلسفہ ومقصد کیا ہے، قربانی کرنا عقل کے موافق ہے یا نہیں، اگر خلاف عقل ہے تو اس پر ہونے والے عقلی اشکالات کے کیا کیا جوابات ہیں، یہ اور اس طرح کے بے شمار سوالات آج لوگوں کی زبانوں پر آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جزاخیر دے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کو کہ وہ ساری باتوں کو تفصیل کے ساتھ مواعظ وملفوظات میں بیان فرما گئے ہیں لیکن وہ سارے مضامین منتشر تھے ان کو یکجا کرنے اور مرتب کرنے کی ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے احقر نے اس کام کو انجام دیا، اب یہ مرتب مجموعہ آپ کے سامنے ہے انشاءاللہ اس موضوع پر ہر اعتبار سے کافی وشافی ہوگا، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس معمولی کوشش کو قبول فر مائے، اور امت مسلمہ کی ھدایت کا ذریعہ بنائے، ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم و تب علينا انك انت التواب الرحيم ۔

محمد زید مظاہری ندوی (استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

باب ا
عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت

اعوذبا للہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم
وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ

(ترجمہ وتفسیر) قسم ہے فجر کے وقت کی ،اورذی الحجہ کی دس راتوں یعنی دس تاریخوں کی کہ وہ نہایت فضیلت والی ہیں۔اور جفت کی اور طاق کی ۔ جفت سے مراد ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اور طاق سے نویں تاریخ مراد ہے۔(کذافی الحدیث)[1]

فائدہ:۔درمنثور میں متعدد سندوں سے روایت درج ہے کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس آیت میں ''لیال عشر ''سے''عشرہ ذی الحجہ''مراد ہے۔اوروتر (طاق) سے عرفہ کا دن (یعنی نویں ذی الحجہ)اور جفت سے قربانی کا دن یعنی دسویں تاریخ مراد ہے۔[2]

(ا) حضرت رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ کوئی دن عشرہ ذی الحجہ کے سوا ایسے نہیں کہ ان میں عبادت کرنا خدا تعالیٰ کوزیادہ پسند ہو۔ان میں سے ایک دن کا روزہ ایک سال روزہ رکھنے کے برابر ہے۔اورانکی ہر رات کا جاگنا شب قدر کے برابر ہے۔[3]

(۲) نیز حضور ﷺ نے ارشادفرمایا کہ نہ کوئی دن اللہ کے نزدیک اس عشرہ ذی الحجہ سے افضل ہے اورنہ کسی (دن) میں عمل کرنا ان (دنوں) میں عمل کرنے سے افضل ہے۔پس خصوصیت سے ان دنوں میں لاالہ الا اللہ و اللہ اکبر کی کثرت رکھو، کیونکہ یہ تہلیل وتکبیر اورذکراللہ کے دن ہیں۔[4]

فائدہ:۔اس عشرہ کی فضیلت میں بہت احادیث وارد ہوئی ہیں۔مگرہم نے

---

[1] بیان القرآن ص۹۲، ۱۲ [2] خطبات الاحکام ۱۴۶ [3] ترمذی ابن ماجہ
[4] درمنثور عن البیہقی خطبات الاحکام ص ۱۴۶،خطبہ نمبر ۵۰

اختصار کی وجہ سے چند حدیثیں لکھی ہیں۔ اورانہیں سے معلوم ہوگیا کہ یکم ذی الحجہ سے نویں ذی الحجہ تک ہرطرح کی عبادت میں کوشش کرنا چاہئے۔ اورحتی الوسع ان دنوں میں روزہ اورشب بیداری کا اہتمام کرنا چاہئے۔ خصوصاً نوتاریخ کا روزہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ جس کی تفصیل آگے بھی آرہی ہے۔[1]

عیدین کی راتوں کی فضیلت

فائدہ: اس میں اختلاف ہے کہ یہ عشرہ ذی الحجہ افضل ہے یا رمضان شریف کا عشرہ اخیرہ؟ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ مختار یہ ہے عشرہ ذی الحجہ کے دن افضل ہیں اور رمضان کے عشرہ اخیرہ کی راتیں۔ واللہ اعلم

ایک حدیث شریف لکھی جاتی ہے جس سے دسویں رات کو جاگنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشادفرمایا کہ جوشخص عیدین (یعنی عیدالفطر وعیدالاضحیٰ کی دونوں راتوں میں ثواب طلب کرنے کیلئے بیدار رہا اس کا دل اس دن زندہ رہے گا۔ جس دن سب کا دل مردہ ہوگا۔ (ترغیب عن ابن ماجہ)[2]

تکبیر وتشریق

حضور ﷺ نے ارشادفرمایا کہ نہ کوئی دن اللہ کے نزدیک اس عشرہ ذی الحجہ سے افضل ہے نہ کسی دن میں عمل کرنا ان میں عمل کرنے سے افضل ہے۔ پس تم ان دنوں میں خصوصیت سے **لاالٰہ الا اللہ واللہ اکبر** کی کثرت رکھو، کیونکہ یہ دن تکبیر اور تہلیل کے ہیں۔[3]

فائدہ:۔ یوں تو اس تمام عشرہ میں (یعنی ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں میں) تکبیر وتہلیل کی زیادتی پسندیدہ ہے۔ جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوا۔ لیکن نوتاریخ کی فجر سے

---

[1] احکام حج ملحقہ سنت ابراہیم، ص۴۹۱ [2] احکام حج، ملحقہ سنت ابراہیم ص۴۹۱ [3] درمنثور عن البیہقی

تیرہویں کی عصر تک ہر نماز کے بعد بلند آواز سے ایک مرتبہ تکبیر کہنا ضروری ہے جیسا کہ آثار السنن میں ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا معمول مروی ہے۔

بیہقی نے جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ) کی فجر سے آخر ایام تشریق (یعنی ۱۳ ذی الحجہ) کی عصر تک تکبیر پڑھا کرتے تھے۔[1]

مسئلہ:- ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی صبح سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد (جو جماعت سے مقیم ہونے کی حالت میں مصر میں ادا کی جائے) تکبیرات تشریق (ایک مرتبہ) بآواز بلند واجب ہیں۔ مسافر اور عورت اور منفرد (یعنی تنہا نماز پڑھنے والے) پر واجب نہیں۔ لیکن ان سب کے لئے بھی بعض علماء کا وجوب کا قول ہے اس لئے اگر کہہ لیں تو بہتر ہے۔ وہ تکبیرات یہ ہیں۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ[2]

عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کا روزہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عرفہ کا روزہ ہزار روزہ کے برابر ہے۔[3]

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے عرفہ کا روزہ رکھا اس کے پے در پے دو سال کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (ترغیب عن ابی یعلیٰ) (ا)

یعنی ایک سال گزشتہ کے اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف ہوتے ہیں جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے۔

(۳) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ عرفہ میں (یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ) کا روزہ ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کا کفارہ ہو جاتا ہے۔[4]

---

[1] بیہقی احکام حج ملحقہ سنت ابرہیم ص ۲۹۴ [2] زوال السنہ عن اعمال السنہ ص ۳۷

[3] ترغیب عن البیہقی والطبرانی [4] احکام حج ملحقہ سنت ابراہیم ص ۴۹۰ خطبات الاحکام ص ۱۴۶

(ا) بعض جگہ عوام شب براٗت کی تیرہویں یا چودھویں کو عرفہ کہتے ہیں۔ وہ بالکل غلط ہے۔ ۱۲-

مسئلہ:- بقرعید کی نویں تاریخ میں روزہ رکھنے کا بھی بڑا ثواب ہے۔اس سے ایک سال کے اگلے اور ایک سال کے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔اوراگر شروع چاند سے نویں تک برابر روزہ رکھے تو بہت ہی بہتر ہے۔[1]

فائدہ:- ذی الحجہ کی دسویں تاریخ سے تیرہویں تک چار یوم کا روزہ حرام ہے۔اس واسطے ان دنوں کے روزہ کی فضیلت نو تاریخ تک کے لئے ہے۔[2]

حاجیوں کے لئے عرفہ کا روزہ

سوال ۱۴۶ : یوم عرفہ (نوی ذی الحجہ) کا روزہ وقوف عرفہ کرنے والے حاجیوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ حدیث سے تو ثابت ہے کہ عرفہ میں نبی کریم ﷺ نے افطار کیا کما فی روایۃ الترمذی، اور بعض علماء نے جائز رکھا ہے۔اس میں تحقیق کیا ہے؟

(الجواب) یوم عرفہ کا روزہ حاجی کے لئے اگر ضعف (کمزوری) کا اندیشہ نہ ہو بلا کراہت مستحب ہے اور اگر ضعف کا اندیشہ ہو تو مکروہ ہے۔[3]

ذی الحجہ میں ایام بیض کے روزے

سوال ۱۵۵ : ایک شخص ایام بیض کے روزے ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کو رکھتا ہے، (جو کہ مسنون ہیں) مگر اب بقرعید کی ۱۳ تاریخ کو چونکہ روزہ حرام ہے، لہٰذا ۱۴/۱۵/۱۶/ تاریخ کو رکھے یا کیا کرے، اس میں ایام بیض کا شمار فوت ہوتا ہے۔

(الجواب) اس ماہ میں ایام بیض کے روزے نہیں ہوسکتے، بطور بدل کے خواہ ۱۶/ کو رکھ لے یا بعد میں رکھ لے سب برابر ہیں۔[4]

---

[1] بہشتی زیور، ص ۱۰/ ج ۳ [2] سنت ابراہیم، ص ۴۹۰، احکام حج [3] کما فی الدر المختار ورد المحتار ص ۲/۸۳۰، امداد الفتاویٰ، ص ۲/۱۰۰ [4] امداد الفتاویٰ، ص ۱۰۲/ ج ۲

باب۲

قربانی کی فضیلت قرآن وحدیث کی روشنی میں

اعوذبالله من الشيطان الرجيم ،بسم الله الرحمن الرحيم

فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ، (کوثر) آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیئے اور قربانی کیجئے۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ الآيه(سورہ حج پ ۱۷)

(ترجمہ وتفسیر) قربانی کے اونٹ اور گائے کو اسی طرح بکری بھیڑ کو بھی ہم نے اللہ کے دین کی یادگار بنایا ہے۔ان کی قربانی سے اللہ کی عظمت اور دین کی رفعت (بلندی) ظاہر ہوتی ہے۔اوراس حکمت کے علاوہ ان جانوروں میں تمہارے اور بھی فائدے ہیں۔مثلاً دنیوی فائدہ کھانا اور کھلانا اوراخروی فائدہ ثواب---- توتم خود بھی کھاؤ اور بے سوال اورسوالی (محتاج) کوبھی کھانے کودو، کہ یہ دنیوی فائدہ بھی ہے۔اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اورنہ ان کا خون لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ اوراخلاص پہنچتا ہے۔اخلاص والوں کوخوشخبری سنادیجئے۔

قربانی میں اخلاص یہ ہے کہ خاص حق تعالیٰ کے لئے اوراس سے ثواب لینے کے لئے قربانی کرے۔[۱]

قربانی کرانے والا ناخن وغیرہ نہ کاٹے

مسئلہ: جس شخص کا قربانی کرنے کا ارادہ ہومستحب ہے کہ بقرعید کا چاند دیکھ کر خط وناخن نہ بنوائے جب تک قربانی نہ کرلے۔[۲]

۱ بیان القرآن پ ۱۷ سورۂ حج ملخصاً حیوۃ المسلمین ص ۱۳۵ ۲ تعلیم الدین ص ۲۵۸

قربانی سے متعلق احادیث نبویہ

قربانی کی فضیلت اور اس کا ثواب

(۱) حسین بن علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس طرح قربانی کرے کہ اس کا دل خوش ہو، اور وہ اپنی قربانی میں ثواب کی نیت رکھتا ہو وہ قربانی اس شخص کے لئے دوزخ سے آڑ ہوجائے گی۔[۱]

(۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے دن آدمی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کرنے سے زیادہ پیارا نہیں۔ اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور اپنے بالوں اور کھروں سمیت حاضر ہوگا۔ یعنی ان سب چیزوں کے بدلے ثواب ملے گا۔ اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک خاص درجہ میں پہنچ جاتا ہے۔ تو پھر تم لوگ جی خوش کر کے قربانی کرو۔ زیادہ داموں کے خرچ ہوجانے پر جی برا مت کرو۔[۲]

(۳) حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ قربانی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارے نسبی یا روحانی باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے، انہوں نے عرض کیا کہ ہم کو اس میں کیا ملتا ہے۔ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی، انہوں نے عرض کیا کہ اگر اون والا جانور ہو؟ آپ نے فرمایا کہ ہر اون کے بدلے بھی ایک نیکی۔[۳]

(۴) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے فاطمہ اٹھ اور ذبح کے وقت اپنی قربانی کے پاس حاضر ہو، کیونکہ قربانی کا پہلا قطرہ جو زمین پر گرتا ہے اس کے

[۱] طبرانی کبیر [۲] ابن ماجہ، ترمذی [۳] حاکم، ابن ماجہ، احمد

ساتھ ہی تیرے لئے تمام گناہوں کی مغفرت ہوجائے گی۔اور یاد رکھو کہ قیامت کے دن اس قربانی کا خون اور گوشت لایا جائیگا اور تیرے میزان عمل میں ستر حصے بڑھا کر رکھ دیا جائے گا۔اوران سب کے بدلے نیکیاں دی جائیں گی۔[1]

قربانی نہ کرنے والے کے لئے سخت وعید

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جوشخص قربانی کی گنجائش رکھے (یعنی صاحب نصاب ہو) اور پھر قربانی نہ کرے سو وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔[2]

اس سے کس قدر ناراضگی ٹپکتی ہے کیا کوئی مسلمان رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی برداشت کرسکتا ہے اور یہ ناراضگی اس کے لئے ہے جس کے ذمہ قربانی واجب ہو، اور جس کو گنجائش نہ ہواس کے لئے نہیں۔[3]

قربانی کرنے میں مالداروں کی کوتاہی

اکثر دیکھا گیا ہے کہ آج کل قربانی لاپرواہی کی وجہ سے قاعدہ کے مطابق نہیں کی جاتی، حالانکہ ان قواعد کا لحاظ اور اہتمام بہت ضروری ہے اور بعض مالداروں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ خود قربانی ہی کی طرف توجہ نہیں کرتے، حالانکہ صاحب حیثیت (مالدار) پر قربانی واجب ہے، اوراس کے ترک پر وعید وارد ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جوشخص قربانی کی وسعت رکھتا ہواور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

یہ عیدگاہ وہ جگہ ہے جس میں حاضر ہونے کی ترغیب وتاکید بیان فرمائی ہے کہ جن پر عید کی نماز واجب بھی نہیں بلکہ ان کو نماز پڑھنا فرض بھی نہیں ان کو بھی پہلے یہ حکم تھا کہ عیدگاہ

[1] اصبہانی، حیوۃ المسلمین، ص ۱۲۷ [2] حیوۃ المسلمین، ص ۱۲۷

میں حاضر ہوں۔ چنانچہ حیض والی عورتوں کو حضور نے حکم فرمایا تھا کہ وہ بھی عیدگاہ میں حاضر ہوں حالانکہ حائضہ کو نماز پڑھنا جائز نہیں۔ مگر یہ حکم حضور ہی کے زمانہ کے ساتھ خاص تھا۔ اس زمانہ میں فتنہ کی وجہ سے یہ حکم نہیں۔[۱]

(رسول اللہ ﷺ کے ارشاد میں غور فرمایئے) حضورؐ کا حکم ہے کہ جس نے باوجود وسعت کے قربانی نہ کی ہو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ یوں نہیں فرمایا کہ عیدگا میں نہ آئے بلکہ یوں فرمایا کہ اس کے قریب تک بھی نہ آئے، قربانی نہ کرنے والے سے کس قدر نفرت معلوم ہوتی ہے کہ ایسے شخص کو حکم دیا کہ مسلمانوں کی عیدگاہ کے پاس بھی نہ پھٹکے۔

صاحبو! اگر غیرت ہو اور حضورؐ کی محبت ہو تو یہ بڑی سخت بات ہے۔ مگر افسوس کہ اس قدر تو قربانی کی تاکید ہے مگر بعض مسلمان پھر بھی نہیں کرتے۔[۲]

غریب آدمی کا قربانی کرنا

غریب آدمی کو قربانی کرنے کا مناسب اور مستحب ہونا بھی قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ارشاد ہے یَاتُوکَ رِجَالاً کہ آئیں گے تیرے پاس پیادے، اور جو پیادے (یعنی پیدل) آئے گا وہ ظاہر ہے کہ غریب ہی ہوگا۔

جن کے ذمہ قربانی واجب ہے ان کو تو ضرور ہی کرنا چاہئے۔ اور انشاء اللہ کریں گے باقی جن کے ذمہ واجب نہیں لیکن اتنی وسعت ہے کہ ایک حصہ قربانی کا کرلیں تو اس زائد خرچ کی وجہ سے کسی حق واجب میں فرق نہ آئے وہ بھی مناسب ہے کہ کریں، اس کی فضیلت ایسی ہے کہ اس کا چھوڑنا بہت بڑے نفع سے محروم رہنا ہے، اور جس کو بالکل ہی وسعت نہ ہو وہ مجبور ہے۔[۳]

[۱] سنت ابرہیم، ص۲۲ [۲] سنت ابرہیم، ص۳۵ [۳] الضحایا، ص۱۶۶

بعض لوگوں کے لئے قربانی کرنا جائز نہیں

بعض لوگ محض نادار ہیں یا ذخیرہ سے زیادہ ان کے ذمہ حقوق العباد ہیں جن کی ادائیگی فرض مقدم ہے، (یعنی پہلے اس کوادا کرنا ضروری ہے) مگر یہ لوگ ان سب حقوق کونظر انداز اور پس پشت ڈال کر محض فخر اور قدیم وضع بنانے کے لئے (یعنی چونکہ ہمیشہ سے ہمارے یہاں قربانی ہوتی چلی آئی ہے) اس لئے قربانی کی پابندی کرتے ہیں اور پاس ہوتا نہیں تو ادھار کرتے ہیں۔

بعض لوگوں کو دیکھا کہ مردوں تک کے کئی کئی حصے کرتے ہیں اور زندوں کے واجب حقوق مردہ کرتے ہیں حالانکہ یقینی بات ہے کہ ۱۰۰ روپیہ قرض میں ادا کرنا اس سے بہتر کہ ان ۱۰۰ سو روپئے کے حصے خریدے جائیں۔ایسی صورت میں حقوق ضائع کرنے کا الزام (اور گناہ) الگ اور فساد نیت یعنی تفاخر اور ریا کا الگ۔

البتہ کسی کا کوئی حق ضائع نہ ہو اور تفاخر (اور ریا دکھلاوا) بھی نہ ہو تو نفل قربانی کے مستحب اور محبت کی دلیل ہونے میں کوئی کلام نہیں ۔اسی طرح عام مردوں کی طرف سے یا اپنے بزرگان دین کی طرف سے بالخصوص حضور پرنور ﷺ کی طرف سے قربانی کرنا احب المندوبات ہے (یعنی مستحب امور میں سب سے افضل اور پسندیدہ ہے) اور ان حضرات کے حقوق کا مقتضی بھی ہے لیکن منفعت جب ہی مطلوب ہے جب اس میں کوئی مضرت (نقصان) نہ ہو، (نفل قربانی منفعت ہے، اور حقوق ادا نہ کرنا مضرت ہے)[1]

---

[1] اصلاح انقلاب، ص ۱٦۷، ج ۱

باب ۳

قربانی کی حقیقت

زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ یہ قربانی کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا تمہارے (نسبی یا روحانی ا) باپ ابرہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے۔ (حاکم)

فائدہ : کتنی بڑی رحمت ہے کہ بکری وغیرہ کی قربانی کرنے سے حضرت ابرہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پیرو کار شمار کئے گئے جنہوں نے اپنے اس پیارے اکلوتے بچے کو قربان کیا تھا جو بڑھاپے میں بڑی تمناؤں کے بعد نصیب ہوا تھا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی۔ ا

حضور ﷺ کو ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم کیوں دیا گیا

یہاں پر ایک شبہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی شریعت تو تمام ملتوں اور ادیان (مذاہب) کو منسوخ کرنے والی ہے۔ پھر ملت ابراہیمی کے اتباع کا آپ کو حکم کیوں فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ملت ابرہیم علیہ السلام کے اتباع کا حکم اس حیثیت سے نہیں ہے کہ وہ ملت ابراہیم ہے بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ محمد ﷺ کی شریعت ہے اور ملت ابراہیمی بھی اس کا ایک لقب ہے۔ اور یہ لقب اس لئے ہے کہ یہ دونوں ملتیں آپس میں اصولاً اور فروعاً متناسب ہیں۔ (یعنی دونوں ملتوں کے بہت سے احکام ایک ہی طرح کے ہیں) اسی واسطے یہ نہیں فرمایا کہ اِتَّبِعُوۡا اِبۡرَاهِيۡمَ کہ ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کرو، اِتَّبِعُوۡا مِلَّةَ اِبۡرَاهِيۡمَ فرمایا یعنی ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرو۔

الغرض حضور اکرم ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت قرب ہے نسب کے اعتبار سے بھی اور شریعت کے اعتبار سے بھی نسب کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ حضور ﷺ

ا حیوۃ المسلمین، احکام حج، ص ۱۵۰ (ا) یعنی بعض کے صرف روحانی باپ ہیں اور بعض کے نسبی بھی۔

ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں اور شریعت کے اعتبار سے اس لئے کہ حضور کی شریعت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت سے بہت ملتی جلتی ہے اصول میں بھی اور فروع میں بھی۔

اسی واسطے فرمایا ہے:

وَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا

یعنی ملت ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کرو[1]

قربانی کو ابراہیم علیہ السلام کی سنت کیوں فرمایا

جناب رسول اللہ ﷺ نے اُضحیہ (یعنی قربانی) کو ابراہیم علیہ السلام کی سنت فرمایا ہے۔ حالانکہ جو عمل ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا وہ اور ہے۔ اور (جانور کی) قربانی دوسرا عمل ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا عمل تو لڑکے کو ذبح کرنا ہے، اور قربانی میں حیوان (جانور) کو ذبح کرنا ہوتا ہے، پھر قربانی ابرہیم علیہ السلام کی سنت کیسے ہوئی؟ یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ ہم کو قربانی میں اسی قدر ثواب ملے جس قدر ابراہیم علیہ السلام کو لڑکے کے ذبح کرنے میں ثواب ملا تھا، دونوں عملوں کی غایت کی اتحاد کی وجہ سے دونوں عمل کو ایک فرمایا گو عمل علحدہ علحدہ ہیں، گویا یہ فرما گیا کہ اسے امت محمد ﷺ تم کو جانور کے ذبح کرنے میں وہی اجر ملے گا جو ابراہیم علیہ السلام کو لڑکے کو ذبح کرنے میں ملا تھا۔ دیکھئے! کس قدر قربانی کی فضیلت اس حدیث سے معلوم ہوئی۔[2]

اورایک نکتہ اس سے اور معلوم ہوا وہ یہ کہ جب کوئی بادشادہ انعام تقسیم کرتا ہے جو لوگ زیادہ مقرب ہوتے ہیں، اور مرتبہ ان کا زیادہ ہوتا ہے ان کو ان کے مرتبہ کے موافق انعام ملا کرتا ہے، پھر ان سے جو کم درجہ کے ہیں ان کو اسی درجہ کا انعام ملے گا۔ مثلاً وزراء اور ارکان دولت کو بہت بڑا انعام ملے گا اور ادنیٰ ادنی چپراسیوں اور خدام کو کم، پس حق تعالیٰ

[1] ترغیب الاضحیۃ، ص ۱۲۰ [2] ترغیب الاضحیہ، ص ۱۲۵

کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ سب مخلوق سے زیادہ ہے اور انبیاء علیہم السلام میں ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے جلیل القدر ہیں کہ خلیل اللہ ہیں تو جو انعام ان کو دیا گیا ہوگا ظاہر ہے کہ بہت بڑا انعام ہوگا، کہ وہ باوجود اتحاد فعل کے بھی دوسرے شخص کو اتنا انعام نہ دیا جانا چاہئے۔ یعنی اگر یہ فعل لڑکے کے ذبح کرنے کا کوئی دوسرا کرتا تو وہ اس قدر انعام پانے کا مستحق نہ سمجھا جاتا جس قدر کہ ابراہیم علیہ السلام کو دیا گیا ہے، اور جہاں بھی کوئی فعل اس فعل سے کم درجہ کا ہو وہاں تو اتنا ملنے کی گنجائش ہی نہیں۔ مگر اس کے باوجود کہ ہمارا یہ عمل لڑکے کو ذبح کرنے سے بدرجہا کم درجہ کا ہے، پھر بھی وہی انعام ہمارے لئے تجویز ہوا۔ اللہ اکبر! کتنا بڑا انعام ہے اور امت محمد ﷺ پر حضور ﷺ کی برکت سے کیسا لطف وکرم ہے۔ قربانی کی یہ فضیلت تو ایسی ہے کہ اگر کسی کے ذمہ قربانی واجب بھی نہ ہو تو اس ثواب کو حاصل کرنے کے لئے وہ بھی نہ چوکے، اور جس طرح بن پڑے بغیر کئے نہ رہے۔[1]

قربانی کی فضیلت تو ایسی ہے کہ واجب نہ ہو تب بھی کرنا چاہئے

قربانی کی فضیلت اور اس کا ثواب تو اتنا ہے کہ اگر کسی کے ذمہ واجب بھی نہ ہو تو بھی ثواب حاصل کرنے کے لئے قربانی سے نہ چوکے، آخر دنیا کے بہت سے کام بلاضرورت محض تفریح کے واسطے کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے اگر تھوڑا سا خرچ کردو گے تو کیا حرج ہوگا۔ اور اگر ضرورت ہی پر مدار رکھتے ہو اور یوں کہتے ہو کہ صاحب جو فرائض اور واجبات ہیں ہم تو وہی ادا کریں گے تو دنیا کے کاموں میں اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ ضرورت تو اس قدر ہے کہ سد رمق (یعنی جان بچانے کے لئے) جَو کی روٹی بھی کافی ہے۔ گرمی سردی کی ہلاکت سے بچاؤ کے لئے موٹا (مارکین، ٹاٹ کا) کپڑا مل جائے وہ کافی ہے۔ پھر یہ پلاؤ اور زردے اور کوفتے کیوں کھاتے ہو؟ اور ململ مخمل

[1] ترغیب الاضحیۃ ملحقہ سنت ابراہیم ص ۱۳۶

(اورعمدہ باریک قسم کے کپڑے) کیوں پہنتے ہو؟ اللہ اکبر! نفس کے خوش کرنے کو تو غیرضروری کام بھی کرلیں اوردین کے کام میں یہ پوچھتے ہوکہ صاحب کیابہت ضروری ہے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اگراس کے چھوڑنے (یعنی قربانی نہ کرنے) میں بہت بڑاحرج ہےتب تواس کااہتمام کریں ورنہ چھوڑدیں۔

اعتقاددرست رکھنے کے لئے توبیشک ضرور پوچھوکہ قربانی (ہم پر) ضروری ہے یانہیں کیونکہ ضروری کوضروری اورغیرضروری کوغیرضروری کااعتقادرکھناواجب ہے،لیکن عمل کرنے کے لئے تو یہ پوچھنا کافی ہے کہ کیااللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتے ہیں؟ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ اس عمل سے خوش ہوتے ہیں توبلاتامل نہایت مستعدی اوررغبت کےساتھ اس کوکرو، بہت سےلوگ دین کی محبت کادم بھرتے ہیں اوربدنی اعمال (نمازوغیرہ) میں بڑے چاق وچوبند ہیں لیکن روپیہ خرچ کرنے کاجہاں وقت آیاتوحیلہ حوالہ کرتے ہیں۔ (یہ ایمان کی کمزوری کی علامت ہے)[1]

محبت کاجھوٹادعویٰ

ایک حکایت یادآتی ہے کہ ایک دیہاتی شخص کوکسی نے دیکھاکہ نہایت پریشان بدحواس ہےاوررورہاہےاورقریب میں روٹیوں کاتھیلابھرارکھاہے،کسی نے پوچھاکیوں روتے ہو؟ کہاکہ میراکتامراجارہاہے،اس شخص نے کہاکہ تھیلے میں کیاہے؟ کہنےلگاروٹیاں ہیں،اس نے کہاکہ پھراس کوکیوں نہیں دیتا کہنےلگاکہ اتنی محبت نہیں کہ اس کوروٹی دوں، روٹی میں پیسے خرچ ہوئے ہیں،صرف آنسوبہانے کی محبت ہے کہ یہ مفت کے ہیں۔

بعض لوگوں کی محبت کادعویٰ بھی ایساہی ہوتاہے کہ جہاں ٹکاخرچ ہووہاں صفر ہے، اوریہاں تودرحقیقت خرچ بھی نہیں ہوتاکیونکہ صدقات وخیرات میں جوکچھ خرچ

[1] ترغیب الاضحیۃ، صد ۱۳۷



ہوتا ہے وہ کہیں جاتا نہیں ہے جو کچھ ہے اپنے ہی لئے ہے، بلکہ قربانی تو ایسی شئی ہے کہ کچھ ہاتھ سے بھی نہیں نکلتا، کیونکہ ثواب کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قربانی کے اجزاء (اور گوشت) تقسیم ہی کردو بلکہ اختیار ہے خواہ تقسیم کرو یا خود نفع اٹھاؤ، ہاں بیچنے کی اجازت نہیں ہے، غرض سب اپنے پاس رکھو تب بھی ثواب ملتا ہے۔[1]

[1] ترغیب الاضحیۃ ملحقہ سنت ابراہیمؑ ص ۱۲۷



فصل

حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کا واقعہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام شیر خوار (دودھ پیتے) بچے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ حضرت ہاجرہ (جو اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ہیں ان کے متعلق حکم ہوا کہ ان) کو ان کے بچے کے ساتھ مکہ معظّمہ کے میدان میں چھوڑ دو، اللہ اکبر! کیسے حکم کی تابعداری کرنے والے تھے کہ اس وادی میں جہاں نہ پانی تھا نہ دانہ، ذرا بھی خیال نہ کیا کہ ان کا کیا حشر ہوگا۔ فوراً ان کو وہاں لے جا کر چھوڑ دیا، خیر ابراہیم علیہ السلام تو پھر بھی مرد تھے اور صاحب وحی تھے لیکن حضرت ہاجرہ ان کی بیوی تو صاحب وحی نہ تھیں اس حالت میں کہ دودھ پیتا بچہ ساتھ اور میدان ایسا کہ وہاں نہ دانہ نہ پانی اور خطرہ یہ کہ بھیڑیا یا کوئی درندہ آکر کھا جائے۔ لیکن ان سب باتوں کو کچھ خیال نہیں کیا اور نہ اس کے متعلق کچھ سوال کیا۔ اور سوال کیا بھی تو کیا؟ یہ پوچھا کہ ہم کو آپ یہاں اپنے رائے سے چھوڑے جاتے ہیں یا خدا کا حکم ہے؟ فرمایا خدا کا حکم ہے کہنے لگیں، اِذًا لَّایُضَیِّعُنَا جب یہ خدا کا حکم ہے تو اللہ تعالیٰ ہم کو ضائع نہ کریں گے۔

دیکھئے ابراہیم علیہ السلام کے اس جملہ سے کہ یہ حکم خداوندی ہے ان کو بالکل اطمینان ہوگیا۔ حق تعالیٰ نے کیسی توکل کی قوت عطاء فرمائی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام تھوڑا سا پانی ان کے لئے اور کچھ کھجوریں دے گئے تھے۔ پانی ختم ہوگیا، اب اسماعیل علیہ السلام کو پیاس لگی وہاں دو پہاڑیاں تھیں، صفا اور مروہ ان کا اب بھی نشان باقی ہے اس وقت جنگل میں تھیں اب ان کے درمیان بہت بڑا بازار ہے، حضرت ہاجرہ پریشانی میں پانی کی تلاش کے واسطے ایک پہاڑی پر چڑھیں تاکہ دیکھیں کہ کہیں پانی تو نہیں ہے؟ ادھر ادھر نظر دوڑائی کہیں پانی نظر نہ پڑا، وہاں سے اتر کر دوسری پہاڑی کی طرف جانے لگی اور اسماعیل علیہ

السلام کو برابر دیکھتی جاتی تھیں۔ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان میں ایک نشیب تھا جب وہاں پہنچیں تو اسماعیل علیہ السلام نظروں سے غائب ہوگئے اس لئے اس کو دوڑ کر قطع کیا تا کہ جلدی پھر وہ نظر کے سامنے ہوجائیں اور وہاں سے نکل کر دوسری پہاڑی پر جا کر نظریں دوڑائیں، لیکن کہیں پانی نہ ملا۔ وہاں سے اتریں تو پھر صبر نہ آیا اور اسی طرح پھر پہلی پہاڑی پر پہنچیں کہ شاید اب پانی نظر آئے، اسی بے چینی میں وہ ساتھ مرتبہ اِدھر سے اُدھر سے اُدھر سے اِدھر آئیں گئیں۔اس مضطربانہ حرکت پر حق تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوئی اور جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جا کر اسماعیل علیہ السلام کے لئے اپنے بازو سے زمین سے پانی نکالو چنانچہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور جہاں اسماعیل علیہ السلام پیاس سے بے تاب ہوکر رورہے تھے ایڑی ماری وہاں سے پانی کا چشمہ ابلا جس کا نام اس وقت زمزم ہے، حق تعالیٰ کو اپنے مقبول بندوں کے بعض افعال پسند آجاتے ہیں گو وہ بطور عبادت کے بھی نہ ہوں یوں ہی عادت کے طور پر ہوں۔[1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنا

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِينَ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ،فَلَمَّابَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّي اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يَااَبَتِ افْعَلْ مَاتُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِينَ --الی قولی تعالیٰ سَلٰمٌ عَلٰى اِبْرَاهِيمَ.(پ ۲۳ سورہ الصافات)

(ترجمہ وتفسیر) ابراہیم علیہ السلام جب ملک شام میں جا پہنچے اور یہ دعا کی کہ اے میرے

[1] الضحایا ملحقہ سنت ابراہیم، ص ۱۳۶

رب مجھ کو ایک نیک فرزند دے ،سوہم نے ان کوایک حلیم المزاج فرزند (لڑکے) کی بشارت دی سوجب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ اسماعیل علیہ السلام چلنے پھرنے لگے تو ابراہیم علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا کہ اس فرزند کواللہ کے حکم سے ذبح کررہا ہوں ،آنکھ کھلی تو اس وجہ سے کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتی ہے اس کواللہ کا حکم سمجھا اوراس کے مطابق عمل کرنے پرآمادہ ہوئے ، پھراس خیال سے کہ یہ فعل فرزند سے متعلق بھی ہے خدا جانے اس کی کیارائے ہو،یعنی اتفاق یا اختلاف اس کواطلاع کرنا ضروری سمجھا۔شق اول میں طبیعت یکسو ہوجائے گی۔اورشق ثانی میں اس کو سمجھا دیں گےاس لئے اس فرزند (یعنی اسماعیل علیہ السلام) سے فرمایا کہ برخوردار میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو اللہ کے حکم سے ذبح کررہا ہوں سوتم بھی سوچ لوتمہاری کیارائے ہے، وہ بولے ابا جان اس میں مجھ سے پوچھنے کی کیا بات ہے جب آپ کوخدا کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہےتو آپ کو جوحکم ہوا ہے آپ بلاتامل کیجئے۔انشاءاللہ تعالیٰ آپ مجھ کوسہارا کرنے والا (یعنی صبر کرنے والا) دیکھیں گے ۔غرض جب دونوں نے خدا کے حکم کوتسلیم کرلیا اور باپ نے بیٹے کوذبح کرنے کے لئے کروٹ پرلٹایا اور چاہتے تھے کہ گلا کاٹ ڈالیں۔اس وقت ہم نے ان کوآواز دی کہ ابراہیمؑ شاباش تم نے خواب کوخوب سچ کر دکھایا یعنی جوخواب میں حکم ہوا تھا اپنی طرف سے اس پر پورا عمل کیا،اب ہم اس حکم کومنسوخ کرتے ہیں،بس ان کوچھوڑ دو،غرض ان کوچھوڑ دیا جان کی جان بچ گئی اورمراتب علیا مزید برآں عطاء ہوئے ،ہم مخلصین کوایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں حقیقت میں یہ تھا بھی بڑا امتحان جس کو بجز مخلص کامل کے دوسرا برداشت نہیں کرسکتا، اورہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا۔اورہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات ان کے لئے رہنے دی کہ ابراہیم پرسلام ہو،چنانچہ ان کے نام کے ساتھ اب تک علیہ السلام کہا جارہا ہے،ہم مخلصین کوایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔

[1] بیان القرآن سورۂ صافات رکوع ۶، ج ۹، ص ۱۲۹

قربانی کی تاریخ اوراس کی ابتداء

ابراہیم علیہ السلام کو(خواب میں)حکم ہوا تھا کہ اپنے بیٹے کی جان ہم پر فدا کرو، حقیقت میں سب سے زیادہ محبوب اپنی جان ہے اس کے بعد اولاد کی جان ہے، ابراہیم علیہ السلام نے اس حکم کو اسماعیل علیہ السلام سے بیان کیا۔اس واقعہ میں زیادہ عجیب اسماعیل علیہ السلام کا راضی ہوجانا تھا کہ وہ اس نوعمری میں کہ بارہ تیرہ سال کی عمر تھی۔خداتعالیٰ پر اپنی جان فدا کرنے کو تیار ہوگئے، ابراہیم علیہ السلام تو نبی ہو چکے تھے،معرفت کامل ہو چکی تھی،خلیل اللہ کالقب ان کو مل چکا تھا ان کا اس حالت میں لڑکے کی قربانی کرنے پر آمادہ ہوجانا اس قدر عجیب نہیں جتنا اسماعیل علیہ السلام کا اس حکم کو سن کر بغیر کسی پس وپیش کے ذبح ہونے کے لئے آمادہ ہونا عجیب ہے۔

اور درحقیقت یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فیض تھا کہ ان کی طرح ان کی اولاد بھی خدا کی عاشق تھی، چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا۔

يَاأَبَتِ افْعَلْ مَاتُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِينَ

اے میرے باپ جو کچھ آپ کو حکم ہوا ہے کرڈالیئے انشاء اللہ آپ مجھ کو صابرین میں سے پائیں گے یعنی میں تحمل واستقلال سے کام لوگا۔

فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلجَبِينِ. چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پیشانی کے بل پر ڈال کر ذبح کرنا شروع کیا اور پورا زور لگا دیا مگر وہاں اثر بھی نہ ہوا۔کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کو حکم تھا کہ اِذْبَحْ(یعنی ذبح کرو)اور چھری کو حکم تھا لَاتَذْبَحْ(خبردار ذبح نہ ہونے پائے) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جھلا کر چھری سے کہا کہ تجھے کیا ہوگیا کاٹتی کیوں نہیں؟اس نے کہا اے ابراہیم تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کروں گی۔مجھے اور حکم ہے اور تم کو اور حکم ہے،واقعی ظاہر میں یہ اسباب مؤثر نظر آتے ہیں ورنہ حقیقت میں حق تعالیٰ کے سوا کوئی مؤثر نہیں۔یہ اسباب بھی ان کے حکم کے بعد ہی کام کرتے ہیں۔

بہر حال چھری کو حکم تھا کہ کند ہو جاوہ کند ہو گئی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم تھا کہ ذبح کرو، وہ ذبح کی کوشش میں تھے کہ غیب سے آواز آئی۔

یَا اِبرَاهِیمَ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤیَا! اے ابراہیم واقعی تم نے اپنے خواب کو سچا کر دیا۔ غرض ابراہیم علیہ السلام کے فعل پر ذبح کا نتیجہ مرتب نہیں ہوا۔ لیکن پھر بھی حق تعالیٰ نے ان کے فعل کی نہایت تفخیم (بڑائی) ظاہر فرمائی ہے۔ کیونکہ جب انہوں نے اپنی طرف سے سب کچھ کرلیا تو بڑا کام کیا۔ وہ جس وقت لڑکے کو ذبح کرنے کیلئے تیار ہوئے تھے اور ان کے گلے پر چھری پھیر رہے تھے اس وقت تو ان کو یہ علم نہ تھا کہ چھری کو لاتـذ بَح کا حکم ہو جائے گا اور وہ اپنا کام نہ کرے گی۔ بلکہ وہ تو یہ سمجھ کر تیار ہوئے تھے کہ چھری پھیرتے ہی بچہ کا کام تمام ہو جائے گا کیونکہ وہ اس کو خوب تیز کر چکے تھے اب اس کے بعد نتیجہ کا مرتب نہ ہونا ان کے اختیار سے باہر تھا پس واقعی انہوں نے بہت بڑا کام کیا۔

اسی کو حق تعالیٰ نے **اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِینَ اِنَّ هٰذالَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِینُ وَفَدَینَاهُ بِذَبحٍ عَظِیمٍ** اس کے بعد ایک دنبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ ہو کر آ گیا اور اس کو ان کی جگہ ذبح کیا گیا یہ قربانی کی ابتداء ہے۔ چنانچہ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے جب صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ "**مَا هٰذا الاَضَاحِی یَارَسُولَ اللّٰهِ**" (یارسول اللہ قربانی کی کیا حقیقت ہے؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا "**سُنَّةُ اَبِیکُم اِبرَاهِیمَ**" یعنی یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، تو اصل عوض تو ہمارے جان کا ہماری اولاد تھی، مگر حق تعالیٰ کی رحمت سے جانوروں کی جان ہماری جان کا عوض ہو گئی۔

حدیث پاک کا حاصل یہ ہے کہ اضحیۃ (یعنی قربانی) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے اور وہ سنت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے لڑکے کو ذبح کیا تھا پھر حق تعالیٰ نے دنبہ کو لڑکے کا فدیہ بنا دیا، پس معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور کا ذبح کرنا لڑکے کے ذبح کے قائم مقام ہے، کیونکہ واقعی ابراہیم علیہ السلام میں ایسا ہی ہوا تھا۔

حدیث میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اِنَّـا عِـنـدِ ظَـنِّ عَبدِی بِیْ کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں، سوہم کوتو حق تعالیٰ کے ساتھ یہ گمان پختہ ہے کہ انشاءاللہ قربانی کا جانور لڑکے کی قربانی کے قائم مقام ہے، اور ہم کو اس میں وہی ثواب ملے گا جو ذبح ولد (یعنی لڑکے کی قربانی) میں ملتا ہے، اور جس کو اب بھی اشکال ہو وہ اپنا ثواب کم کر لے وہ قربانی کو ذبح ولد کا عوض نہ سمجھے اسے اختیار ہے۔[1]

حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے قصہ میں معارف وحقائق

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح ولد کا خواب دیکھا تھا (یعنی یہ خواب دیکھا تھا کہ میں اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کر رہا ہوں) چونکہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے لہذا اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو مذبح (قربانی گاہ) لے گئے۔ اور وہاں ان سے اپنا خواب اس طرح بیان کیا کہ ''یٰبُنَیَّ اِنِّی اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی'' اے میرے پیارے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں سو دیکھو اس میں تمہاری کیا رائے ہے۔

سبحان اللہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا کیا عجیب اور سہل طریقہ ہے کہ مخاطب پر بالکل بوجھ نہیں ڈالتے بلکہ ان سے سوال کرتے ہیں۔ اور اس خاص طریقہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مخاطب بشاش ہو کر تعلیم کو ضرور قبول کر لیتا ہے، یہ طرز تعلیم نہایت مؤثر ہوتا ہے۔ باوجود یکہ ابراہیم علیہ السلام کا اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا پختہ ارادہ تھا۔ مگر پھر بھی یوں نہیں فرمایا کہ میں نے ایسا خواب دیکھا ہے، میں تجھ کو یہاں ذبح کرنے کے واسطے لایا ہوں تو ذبح کے لئے تیار ہو جا۔ آپ نے اس مضمون کو جو طبعاً نہایت سخت اور خوف میں ڈالنے والا تھا کس قدر سہل عنوان سے بیان فرمایا کہ اے بیٹے میں نے یہ خواب دیکھا ہے

[1] السوال فی شوال' ص۱۸۳،۱۸۴

بولوتمہاری کیا رائے ہے۔ گویا ان سے مشورہ لیا اوراس کی تعبیر پوچھی، اب بھی اگر کوئی شخص اس طرز تعلیم کو اختیار کرے تو نہایت مؤثر اور نافع ہوگا۔

چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فوراً یہ عرض کیا کہ میں اس کا جواب ہی کیا دوں بس اللہ نے جو حکم آپ کو دیا ہے کر گزریئے۔ اور اگر آپ کو یہ شبہ ہو کہ میں اس وقت تو پختہ ہوں مگر شاید عین وقت پر ثابت قدم نہ رہوں تو

"سَتَجِدُنِی اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِینَ"

یعنی انشاءاللہ مجھ کو آپ ثابت قدم پائیں گے۔

بس یہ سن کر ابراہیم علیہ السلام ذبح کے لئے تیار ہو گئے۔ اور زمین پر لٹا کر تیز چھری حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر زور زور سے پھیرنے لگے لیکن چھری تھی کہ نہیں چلتی تھی۔ اس وقت ادھر سے یہ ہوا۔

وَنَادَیْنَاهُ اَنْ یَّا اِبْرَاهِیمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِینَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِینُ وَفَدَیْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِیمٍ (پ ۲۳)

(ترجمہ) یعنی ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھلا دیا بیشک یہ کھلا ہوا بڑا امتحان تھا اور ہم نے اسماعیل کو ایک ذبح عظیم کے ساتھ بدلہ کر کے چھڑا لیا''۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جنت سے ایک دنبہ لایا گیا جو اسماعیل علیہ السلام کے بدلے میں ذبح ہوا، واقعی اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سخت امتحان تھا۔ یہ تو ممکن ہے کہ کوئی شخص حالت مغلوبیت و بدحواسی میں اپنے ایسے فرزند کو جو بہت تمناؤں کے بعد بڑھاپے میں پیدا ہوا ہو ذبح کر دے، لیکن ہوش وحواس کی حالت میں ہرگز ہمت نہیں ہوسکتی، بلکہ لڑکے کو ذبح کرنے کے بجائے خودکشی نہایت آسان ہے، اور ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ فعل نہایت درستگی حواس میں تھا، بدحواسی اور مغلوبیت کا یہاں شبہ تک نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کبھی اس درجہ مغلوب الحال نہیں ہوتے کہ حقائق ان کے ادراک سے غائب ہو جائیں۔

دوسرے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''یَا اِبرَاھِیمَ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّوْیَا''
(یعنی اے ابراہیم تم نے خواب سچ کر دکھایا)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس فعل کو حکم کی تعمیل کی نیت سے قصداً کیا جیسا کہ صَدَّقْتَ کی اسناد سے معلوم ہوتا ہے اور غلبہ حال میں قصد کامل نہیں ہوتا۔

تیسرے آگے فرماتے ہیں ''اِنَّ ھٰذالَھُوَ البَلاءُ الْمُبِین''

کہ یہ بڑا سخت امتحان تھا۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اختیار سے بحالت درستگی حواس یہ کام کیا تھا۔ کیونکہ امتحان اسی کا ہوتا ہے جو ہوش وحواس میں ہو، بدحواس آدمی جو کچھ کرتا ہے بے اختیاری میں کرتا ہے اور وہاں منجانب اللہ کوئی امتحان نہیں ہوتا غرض بدحواسی سے انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کی قربانی کرڈالی تھی

ابراہیم علیہ السلام سے دو فعل صادر ہوئے ایک لڑکے کا ذبح، دوسرے دنبہ کا ذبح، شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ دو فعل کہاں ہوئے کیونکہ یہاں تو فقط دنبہ ذبح ہوا تھا نہ کہ بیٹا، یہ شبہ ایک شرعی قاعدے کے سننے کے بعد بالکل رفع ہوجائیگا۔ وہ یہ کہ شریعت میں ثواب وعقاب کا دارمدار فعل اختیاری کے پختہ ارادہ پر ہے۔ خواہ وہ فعل کسی مانع یا شرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے نہ پایا جائے۔ ایسی صورت میں چونکہ اس شخص کی طرف سے اختیار فعل کا ارادہ پختہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا ثواب یا عقاب کا مستحق ضرور ہوگا۔

مثلاً ایک شخص زنا کا پختہ ارادہ کر کے چلا اور خاص موقع پر پہنچا اور زنا کرنے کو تیار ہوگیا اتفاق سے چھت گر پڑی اور دب کر مر گیا تو حالانکہ اس شخص نے زنا نہیں کیا مگر چونکہ ارادہ پختہ ہو چکا تھا شرعاً زانی ہو کر مرا، اسی طرح اگر کوئی نماز کا پختہ ارادہ کر کے کھڑا ہوا

اوراسی طرح زلزلہ سے چھت گرگئی تو نماز کا اجراس کومل جائے گیا۔

پس اسی طرح یہاں ابراہیم علیہ السلام کو جب لڑکا ذبح کرنے کا حکم ہوا تو انہوں نے فوراً پختہ ارادہ کرلیا اوراس فعل ذبح کوکربھی ڈالا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کاارادہ اورفعل دونوں وقوع میں آئے کیونکہ ذبح کے معنیٰ ہیں اِمْـرَارُ السِّكِّيْـنِ عَلٰى الْحُلْقُوْمِ یعنی چھری کا گلے پر پھیرنا، اور یہ فعل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پورے طریقہ سے صادر ہوا۔پس ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لڑکے کوذبح بھی کرڈالا اور مستحق ثواب بھی ہوئے، رہااس ذبح کے بعدلڑکے کاذبح بھی ہوجانا تو یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کافعل نہیں بلکہ فعل کااثر(اوراس کانتیجہ)ہے جس پرثواب وعقاب کادارومدارنہیں [1]

ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہیں یااسحٰق علیہ السلام

اس میں اہل علم کااختلاف ہے کہ وہ ولد ذبیح (یعنی جن کوابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا تھا)وہ کون ہیں،اسماعیل علیہ السلام ہیں یااسحٰق علیہ السلام،جمہور کاقول یہ ہے کہ اسماعیل علیہ السلام ہیں اوریہی صحیح ہے،جس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ ذبح ولد(یعنی لڑکے کی قربانی)کاقصہ بیان فرما کرحق تعالیٰ نے آگے بیان فرمایاہے "فَبَشَّـرْنَاهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِنَ الصّٰلِحِيْنَ" (ترجمہ:ہم نیان کوبشارت دی اسحاق کی اوراسحاق کے پیچھے یعقوب کی)

اس سے معلوم ہوتاہے کہ یہ واقعہ اسحٰق علیہ السلام کی بشارت سے پہلے کاہےاس لئے اسحٰق علیہ السلام ذبیح نہیں ہوسکتے۔

دوسری لطیف دلیل یہ ہے کہ یقیناً جس لڑکے کوذبح کیا گیاہے بالغ ہونے سے پہلے ذبح کیا گیاہے کیونکہ نص میں یہ قید مذکورہے

"فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ" کہ جب وہ لڑکا چلنے اوردوڑنے کی عمرکوپہنچ گیااوریہ

[1] سنت ابراہیمؑ ص ۴۹

حالت بالغ ہونے سے بہت پہلے ہوجاتی ہے۔ایک مقدمہ تو یہ ہوا،دوسرا مقدمہ اس کے ساتھ ملائیے کہ اسحٰق علیہ السلام کی بشارت کے ساتھ توان کا صاحب اولاد ہونا بھی بتلادیا گیاہے۔ وَمِنْ وَرَاءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوبَ

ترجمہ: ہم نے ان کو بشارت دی اسحاق کی اوراسحاق کے پیچھے یعقوب کی۔

اوروحی قطعی ہوتی ہے،تواب اگران کے ذبح کاحکم ہوتاتوابراہیم علیہ السلام کوعین ذبح کے وقت وحی سابق کی وجہ سے انکی موت نہ ہونے کاپورایقین ہوتا،کہ یہ صاحب اولاد ہونے سے پہلے کسی طرح نہیں مرسکتے، پھر اس ذبح میں بلاء مبین اورامتحان ہی کیاہوتااوراسماعیل علیہ السلام کے متعلق اس قسم کی بشارت کوئی نہ تھی کہ یہ صاحب اولاد ہوں گےاس لئے صحیح یہی ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام ہیں۔[1]

[1] تکمیل الانعام،ص۹۲،ملحقہ سنت ابراہیم

باب۴

قربانی کا فلسفہ اور اس کا مقصد

(۱) قربانی اصل میں ''قربان'' سے ماخوذ ہے، چنانچہ صراح میں لکھا ہے کہ '' **قُربَانٌ بِالضَّمِّ وَھُوَ مَا یُتقَرَّبُ بِه اِلٰی اللّٰهِ تَعَالیٰ یُقَالُ قَرَّبْتُ لِلّٰهِ قُربَاناً** ''

''یعنی قربان اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس کے ساتھ انسان خداتعالیٰ کا قرب ڈھونڈتا ہے، چنانچہ کہتے ہیں ''قربت لله قربانا'' یعنی میں نے اللہ کے لئے قربانی دی۔

چونکہ انسان قربانی سے قرب الٰہی کا طالب ہوتا ہے اس لئے اس فعل کا نام بھی قربانی ہوا۔

(۲) قربانی دراصل تصویری زبان میں ایک تعلیم سے جسے جاہل اور عالم سب پڑھ سکتے ہیں وہ تعلیم یہ ہے کہ خدا کسی کے خون اور گوشت کا بھوکا نہیں اس کی شان تو یہ ہے کہ '' **ھُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ** '' یعنی وہ کھلاتے ہیں کھلائے نہیں جاتے، ایسا پاک اور عظیم الشان نہ تو کھانوں کا محتاج ہے نہ گوشت کے چڑھاوے کا بلکہ وہ تمہیں سکھانا چاہتا ہے کہ تم بھی خدا کے حضور میں اسی طرح قربان ہو جاؤ، اور یہ بھی تمہارا ہی قربان ہونا ہے کہ اپنے بدلے اپنا قیمتی جانور قربان کر دو[۱]

(۳) اللہ و رسول سے زیادہ پیاری کوئی چیز نہیں۔ ایسے محبوب رب العالمین کا حق یہ ہے کہ جو چیز سب سے زیادہ پیاری ہو اس کو اس کے سامنے بطور نذر کے پیش کیا جائے اور حق تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ پیاری چیز اپنی جان ہے۔ یہ حق تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے جان کے عوض میں اس کا ایک بدل مقرر فرما دیا کہ اس کو پیش کر دو[۲]

---

[۱] المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ، ص۱۶۴ [۲] السوال فی شوال، ص۱۸۰، سنت ابراہیم

قربانی کی حکمت

(۳) اصل میں یہ سنت ابراہیمی کا اتباع ہے اور محبوب شئی کا خرچ کرنا مقصود ہے اور وہ صرف جانور کے ذبح کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ گوشت خواہ رکھیں یا دوسروں کو تقسیم کریں۔

(۴) دوسری بات یہ ہے کہ اصل عمل تو یہ تھا کہ بیٹے کو ذبح کریں لیکن اول تو سب کے بیٹا ہوتا نہیں دوسرے یہ کہ اگر یہ حکم ہوتا تو بہت کم ایسے نکلتے جو یہ عمل کرتے یہ تو حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ جانور کولڑ کے کے ذبح کے قائم مقام کر دیا۔[۱]

قربانی کے ذریعہ تقویٰ کا اعلیٰ درجہ حاصل ہوتا ہے

حق تعالیٰ فرماتے ہیں :

لَنْ یَنَالَ اللّٰهُ لُحُومُهَا وَلَادِمَا ؤُ هَا وَلٰكِنْ یَنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ (پ۱۷)

(ترجمہ) خدا کے پاس تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ اس کے پاس تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔

اس میں یہ بات قابل غور ہے کہ اس آیت میں تقویٰ کے کیا معنیٰ ہیں، تقویٰ کے عام معنی تو یہ ہے ہیں کہ سب اعمال شریعت کے مطابق ہوں اور اعمال میں تقرب الی اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ سے قرب) کی نیت ہو یہ معنی تو یہاں مراد ہیں ہی کیونکہ عام معنی کا تحقق ہر فرد میں ہوا کرتا ہے، مگر اس مقام پر خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے سے ذوقاً یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہاں تقویٰ سے مراد بہت ہی بڑا کامل تقویٰ ہے جس کو اس مقام سے خصوصیت ہے اور خصوصیت کی ضرورت اس لئے ہے کہ تقویٰ کا عام مفہوم تو تمام اعمال میں مشترک ہے، پھر یہ ظاہر ہے کہ ہر عمل کو دوسرے عمل سے خاص امتیاز حاصل ہے، اس کا

[۱] ترغیب الاضحیۃ، ص ۱۲۸

مقتضی یہ ہے کہ ہر عمل کے ساتھ جوتقویٰ متصل ہے اس کو بھی دوسرے عمل کے تقویٰ سے امتیار حاصل ہو۔ جیسے حیوانیت (یعنی زندگی) انسان اور دیگر حیوانوں میں مشترک ہے مگر امتیاز نوعی کی وجہ سے ہر حیوان کی حیوانیت (زندگی) برابر نہیں بلکہ بعض کی حیوانیت کامل اور بعض کی ناقص ہے، کسی میں مادہ حیات وحس (یعنی احساس کی قوت) وحرکت زیادہ ہے کسی میں کم ہے، الغرض ہر نوع میں جو جنس ہے اس کو دوسری نوع کی جنس سے بھی خاص امتیاز ہوا کرتا ہے، خواہ ماہیت کے اعتبار سے ہو خواہ آثار کے اعتبار سے کیونکہ ماہیات میں تشکیک کا ہونا نہ ہونا مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ پس جیسے قربانی کو دوسرے اعمال سے خاص امتیاز ہے، اسی طرح اس میں جوتقویٰ ہے وہ بھی خاص قسم کا تقویٰ ہونا چاہئے، اب دیکھئے کہ وہ خاص قسم کا تقویٰ کیا ہے۔ سو دوسری آیت میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَاتَمُوتُنَّ اِلَّاوَاَنْتُمْ مُسْلِمُونَ

ترجمہ: (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ایسا ڈرا کرو جیسا ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے کسی حالت پر جان مت دینا)[1]

مطلب یہ ہوا کہ کامل تقویٰ یہ ہے کہ اسلام پر موت ہو جائے، اسلام کے معنی کیا ہیں۔؟ اسلام کے معنی یہ ہیں کہ اپنے کو خداتعالیٰ کے سپرد کر دے، یہ معنیٰ دوسری آیت سے معلوم ہوتے ہیں:

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْناً مِمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَمُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيفًا (پ٦)

ترجمہ: (اور اس شخص سے اچھا کس کا دین ہے جو اپنے آپ کو اخلاص نیت کے ساتھ خداتعالیٰ کے سپرد کر دے اور ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کا اتباع کرے جو خالص خدا کے ہو رہے تھے۔)

---

[1] آل عمران بیان القرآن

جب اسلام کے معنی یہ ہیں تو تقویٰ کامل یہ ہوا کہ اپنی جان خداتعالیٰ کے سپرد کردے کہ وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا کہ خداتعالیٰ کے حکم سے لڑکے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے اور جو شخص اپنے لڑکے کے ذبح کرنے پر آمادہ ہو جائے وہ اپنی جان دینے پر تو ضرور آمادہ ہو جائیگا۔ کیونکہ بیٹے کا ذبح کرنا اپنے ذبح سے زیادہ سخت ہے، پس کامل تقویٰ یہ ہے کہ خدا کے واسطے جان دے دے یعنی جان کو اس کے سپرد کردے جس کی ایک صورت یہ ہے کہ ایسا کام کرے جس میں جان خرچ ہو جائے۔[1]

قربانی کے ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہونے کا مطلب

تقویٰ کے جو معنی اس مقام پر میں نے بیان کئے ہیں یعنی جان کو خداتعالیٰ کے سپرد کردینا جس کا دوسرا عنوان فناء ہے، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے وہ یہ کہ حضرات صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا **"مَاهٰذا الاَضَاحِی یَارَسُولَ اللّٰہ"** یہ قربانی کیا چیز ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ لفظ ما حقیقت کا سوال کرنے کے لئے موضوع ہے تو اس کلام میں صحابہ نے اضحیہ کی حقیقت کے متعلق سوال کیا تھا اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں **"سُنَّۃُ اَبِیکُم اِبرَاھِیمَ"** سنت سے مراد طریقہ ہے،

جواب کا حاصل یہ ہوا کہ حقیقتِ اضحیہ (یعنی قربانی کی حقیقت) وہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ اور ان کا خاص مذاق ہے، اب یہ دیکھنا چاہئے کہ ابراہیم علیہ السلام کا فعل کیا تھا اگر دنبہ کا ذبح کرنا مراد لیا جائے تو یہ بعید ہے، کیونکہ وہ ان کا فعل قصداً نہ تھا بلکہ بغیر قصد کے تھا، ان کا اصل فعل تو وہی تھا جو قرآن میں منقول ہے۔ **"یٰبُنَیَّ اِنِّی اَرٰی فِی المَنَامِ اَنِّیۡ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَریٰ" الآیۃ....**

---

[1] تکمیل الانعام، ص ۸۳

(یعنی میں نے خواب دیکھا ہے کہ تجھ کو ذبح کرتا ہوں) اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اصلی فعل لڑکے کو ذبح کرنا تھا اور دنبہ کا ذبح کرنا حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا بدل اور فدیہ تھا----- بہر حال ابراہیم علیہ السلام کا فعل لڑکے کو ذبح کرنا تھا تو اب حضورﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہوا کہ **الاضحیة ذبح الولد** یعنی قربانی کی حقیقت لڑکے کو ذبح کرنا ہے۔

اور اگر لفظ سنت پر نظر کی جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ذبح ولد (یعنی لڑکے کو ذبح کرنا) بھی حضرت ابراہیم کی سنت نہیں۔ کیونکہ سنت اس فعل کو کہتے ہیں جس پر مواظبت اور دوام (یعنی پابندی سے) ہو اور ذبح ولد (یعنی لڑکے کو ذبح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف ایک ہی مرتبہ کیا ہے، پس سنت ابراہیمی کا مصداق وہ فعل ہونا چاہئے جو ان کا دائمی طریقہ ہو اور وہ درحقیقت اسلامِ نفس یعنی اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دینا ہے، جس کو فنا کہتے ہیں یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاص مذاق اور دائمی طریقہ تھا۔

اِذْقَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ترجمہ: (جب کہ ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ تم حق تعالیٰ کی اطاعت اختیار کرو، انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی)

اور ذبح ولد (یعنی لڑکے کو ذبح کرنا) اسکی صورت تھی گو اسلامِ نفس کے مناسب صورت تو ظاہر میں یہ تھی کہ ان کو قتل نفس (اپنی جان قتل کرنے) کا حکم دیا جاتا مگر اس کے بجائے لڑکے کو ذبح کرنے کی صورت اس لئے اختیار کی گئی کہ یہ قتل نفس سے بھی زیادہ مشکل ہے کیونکہ باپ کو اپنی موت اور اپنی تکلیف بیٹے کی موت اور تکلیف سے سہل ہوتی ہے اولاد کی حفاظت کے لئے انسان ہمیشہ اپنی جان پر کھیل جاتا ہے، نیز اس وجہ سے بھی (ذبح ولد) زیادہ مشکل ہے کہ اپنا قتل تو ایک ساعت کی کلفت ہے اور لڑکے کو ذبح کرنے

میں عمر بھر کے لئے سانحہ جانکاہ ہے، کسی کا بچہ اس کے ہاتھ سے ذبح ہوجائے تو عمر بھر اس کے دل پر آرے چلیں گے اس لئے اسلام نفس کی یہ صورت اختیار کی گئی ہے۔

اب یہ اشکال ہوگا کہ قربانی تو جانور کی ہوتی ہے نہ کہ لڑکے کی پھر یہ سنت ابراہیم کیسے ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی عنایت سے تمہاری جان کا عوض حیوان کی جان کو بنادیا ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ ذبح کبش (یعنی دنبہ) کو قرار دیا گیا تھا اور اجر میں ذبح ولد کے برابر تھا۔ اسی طرح جانور کی قربانی بھی ثواب میں اپنی جان دینے کے برابر ہے، تو حق تعالیٰ کی یہ کتنی بڑی عنایت ورحمت ہے کہ چند روپے خرچ کرنے میں اتنا بڑا اجر دیتے ہیں[1]

قربانی کی اصل اپنے نفس کو فدا کرنا ہے

(قربانی کے واقعہ میں) بڑا کمال تو ابراہیم علیہ السلام کا ہے کیونکہ خودکشی کرتے تو بہتوں کو دیکھا ہوگا یا کم از کم سنا ہوگا مگر فرزند کشی (لڑکے کو ذبح) کون کرسکتا ہے؟ بھلا باپ سے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے گلے پر چھری پھیر دے۔

ابراہیم علیہ السلام نے تو اپنی طرف سے بیٹے کو ذبح کیا تھا پھر خواہ ذبح کوئی چیز ہوگئی ہو۔ تو قربانی کی اصل بیٹے کو ذبح کرنا ہے جو اپنے ذبح سے بھی اشد (زیادہ سخت) ہے اور یہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ اشد اخف کو متضمن ہوتا ہے (یعنی زیادہ سخت مجاہدہ میں معمولی مجاہدہ بھی ہوتا ہے) تو قربانی کی روح اپنے کو فدا کرنا اور اپنی قربانی کرنا ٹھہرا جس کے متعلق دوسری جگہ ارشاد ہے،

"لَوْاَنَّا کَتَبْنَا عَلَیْهِم ان اقتُلُوا اَنْفُسَکُمْ اَوِاخْرُجُوْا مِنْ دِیَارِکُمْ مَافَعَلُوهُ اِلَّا قَلِیْلٌ مِنْهُمْ" (پ ۵)

[1] تکمیل الانعام، ص۹۳، ۹۴

ترجمہ: ''اگر ہم یہ فرض کر دیتے کہ خود کشی کیا کرو، یا شہر بدر ہو جایا کرو تو بہت کم لوگ کرتے''

اس سے معلوم ہوا کہ خود کشی ایسی چیز ہے کہ اس میں مشروعیت کی صلاحیت تھی، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے وقت مشروع ہوئی اور انہوں نے اس کو کیا، مگر حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ فوراً ہی ایک عنایت کا ظہور ہوا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ''وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ'' ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا۔

ذبح عظیم کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ فوراً ایک دنبہ وہاں پر رکھ دیا گیا اور ابراہیم علیہ السلام نے اسے ذبح کر دیا، تو ابراہیم علیہ السلام کے دین میں قربانی مشروع ہوئی تھی۔ انہیں کی موافقت میں اس دین میں بھی مشروع ہوئی۔

تو قربانی کی اصل اپنے نفس کو فدا کر دینا ہے اور اعتبار اصل ہی کا ہوتا ہے۔[1]

جانور کی قربانی کرنا گویا اپنی جان قربان کرنا ہے

قربانی میں صورۃً تو آپ جانور کی جان پیش کرتے ہیں اور حقیقت میں اپنی جان پیش کرتے ہیں جیسا کہ اوپر معلوم ہوا ہے کہ اس کی حقیقت اسلامِ نفس ہے، (یعنی اپنے کو سپرد کر دینا وہاں سے اس کے بدلے میں آپ کو دوسری جان ملتی ہے جو اس سے بدرجہا افضل ہوتی ہے۔ جس کی حقیقت دو مثالوں سے سمجھئے، ایک تو آصف الدولہ کی حکایت ہے کہ اس نے بڑھیا کی سل کو سونا بنا دیا تھا۔

ایک حکایت

واقعہ یہ ہے کہ آصف الدولہ نے ایک بڑھیا کو دیکھا کہ اصطبل میں (جہاں گھوڑے باندھے جاتے ہیں وہاں) ایک سل لئے ہوئے گھوڑے کے کُھر سے رگڑ رہی

[1] روح الحج والثج، سنت ابراہیم ص ۳۹۱،

تھی پوچھا مائی کیا کرتی ہو، کہا بیٹا میں نے سنا ہے کہ آصف الدولہ کے گھوڑے کا کُھر اگر پتھر پر پڑ جائے وہ سونا ہو جاتا ہے، کہنے لگا سچ ہے مگر تم کو رگڑ نا نہیں آتا، تم سل چھوڑ جاؤ میں سونا بنادوں گا، وہ چھوڑ کر چلی گئی حکم دیا کہ اس سل کے برابر ایک سونے کی سل بنوا کر رکھ دو، جب وہ بڑھیا آئی اس کو حوالہ کر دی، اور کہا لو تمہاری سل سونے کی بن گئی۔

دوسری حکایت

اور دوسرا قصہ مولانا نے مثنوی میں بیان فرمایا ہے ایک دیہاتی بہت غریب تھا جس پر فاقے گزر رہے تھے اس کے گاؤں میں سخت قسم کا قحط پڑا کہ کنویں اور تالاب سب خشک ہو گئے، اس کی بیوی نے ایک دن کہا بغداد کا خلیفہ سنا ہے کہ بہت کریم ہے تو اس کے پاس جاؤ شاید تمہارا فقر وفاقہ زائل ہو جائے، اس نے کہا کہ خلیفہ کے پاس جانے کے لئے کوئی ھدیہ و نذرانہ بھی تو ہونا چاہئے خالی ہاتھ کیسے جاؤں ۔اور میرے پاس اس کے لائق ھدیہ کہاں ہے ۔ بیوی نے کہا کہ ہمارے فلاں گڑھے میں جو صاف شفاف کچھ پانی جمع ہے، ایسا پانی خلیفہ نے کہاں دیکھا ہوگا تم یہ پانی ایک گھڑے میں بھر کر لے جاؤ، یہ رائے مرد کے بھی سمجھ میں آ گئی، چنانچہ گھڑا بھر کر لے چلا، اور عورت نے مصلیٰ بچھا کر اس کے پاس پانی کے صحیح وسالم پہنچنے کی دعا کرنی شروع کی ۔ادھر وہ تمام راستے رَبِّ سَلِّمْ رَبِّ سَلِّمْ کا ورد کرتا ہوا چلا کہ الٰہی اس گھڑے کی خیر رہے، اور میرے قدموں کی بھی خیر رہے کہیں ٹھوکر نہ لگ جائے کیونکہ اس بیچارے کے پاس تو سب کچھ یہی تھا----- خدا خدا کر کے سلامتی کے ساتھ وہ گھڑا بغداد پہنچا اور دربار میں اطلاع واجازت کے بعد حاضر کیا گیا۔خلیفہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو وہ بدوی کہتا ہے کہ هَذَا مَاءُ الْجَنَّةِ یہ جنت کا پانی ہے، ایسا پانی کبھی کسی نے پیا نہ ہوگا، خلیفہ نے گھڑے کو کھولنے کا حکم دیا چونکہ عرصہ سے بند کیا ہوا تھا اس لئے کھولتے ہی (اس کی بدبو سے) دربار سڑ گیا۔

صاحبو! یہی حالت ہمارے اعمال کی ہے کہ وہ حقیقت میں سڑے ہوئے ہیں مگر

خلیفہ کا کرم دیکھئے کہ اس نے ذرا بھی کسی انداز سے بدوی پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ ہم کو اس کی بدبو سے ایذاء (تکلیف) ہوئی ہے بلکہ کمال یہ کیا کہ سر دربار میں اس میں سے ایک گلاس بھروا کر چکھا اور بہت تعریف کی کہ نہایت نفیس ولطیف پانی ہے، اوراس کو خاص اہتمام سے فلاں جگہ رکھا جائے چنانچہ اس وقت تو اٹھوا کر کسی جگہ رکھ دیا گیا، اور بعد میں اس کی غیر موجودگی میں گرادیا گیا، یہی معاملہ بلاتشبیہ حق تعالیٰ ہمارے ساتھ فرماتے ہیں کہ ہمارے اعمال تو سڑے ہوئے ہیں، مگر حق تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے ان کی قدر فرماتے ہیں، پھر خلیفہ نے حکم دیا کہ اس بدوی کا گھڑا سونے کی اشرفیوں سے بھر کر واپس کیا جائے، اور خدام سے کہا کہ اس کو دجلہ کے راستہ سے لے جانا تا کہ تکان دور ہو اور فرحت ہو، نیز اس کو اپنے ھدیہ کی حقیقت اور ہمارے کرم کی عظمت کا مشاہدہ ہوجائے، چنانچہ جب وہ دجلہ پر پہنچا ہے اوراس کی لطافت وشیرینی کو دیکھا تو شرم سے پانی پانی ہوگیا کہ اللہ اللہ یہ خلیفہ کیسا کریم ہے اس کو میرے گدلے اور بدبودار پانی کی کیا ضرورت تھی جس کے شہر میں ایسی صاف وشفاف شیریں نہر چل رہی ہو اور اب معلوم ہوا کہ خلیفہ نے اس کے ھدیہ کی جو کچھ تعریف کی تھی وہ محض اس کی دلجوئی تھی۔

صاحبو! یہی معاملہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے کہ ہمارے حسنات (نیکیاں) حقیقت میں سیأت (برائیاں) ہیں مگر حق تعالیٰ کا کرم ہے کہ ان کو طاعات ہی شمار کر لیتے ہیں اور ہم کو اطاعت کرنے والوں میں داخل کر لیتے ہیں۔

یہ ہے **یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنَاتٍ**، اور جیسے خلیفہ نے سڑے ہوئے پانی کے بدلہ میں سونے کی اشرفیاں دی تھیں۔ ایسے ہی یہاں جو تم اپنی جان پیش کرتے ہو (یعنی جانور کی قربانی کرتے ہو) وہ سڑی ہوئی ہے کیونکہ صفات رذیلہ (برے اخلاق وعادات) سے متصف ہے اور حق تعالیٰ اس کے عوض تم کو ایسی جان عطا فرماتے ہیں جو لطیف اور شفیف (پاک وصاف) ہے کیونکہ وہ اب متصف بصفات اللہ ہوجاتی ہے اسی کا نام فنا وبقاء ہے۔

[1] تکمیل الانعام، ص ۱۰۰

قربانی کا ظاہر و باطن اور قربانی کی روح

انبیاء علیہم السلام کا خواب وہی ہوتا ہے اور انبیاء کی وحی سچی ہوتی ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے ذبح ولد (یعنی اپنے لڑکے اسماعیل کے ذبح کرنے کو) خواب میں دیکھا تھا تو یہ وحی بھی سچی ہوئی لہذا ذبح ولد (یعنی لڑکے کے ذبح کو) ثابت ماننا پڑے گا شرعاً بھی اور لغۃً بھی، گو مذبح (یعنی ذبح کرنے کے بعد بھی ذبح) کا وقوع نہ ہوا ہو، پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس امتحان میں پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے بجائے اسماعیل علیہ السلام کے دنبہ ذبح کرادیا، یہ قربانی کا ظاہر ہوا۔

اور اس کا باطن یہ ہے کہ حقیقت میں نفس کا ذبح کرنا مطلوب تھا جو لڑکے کے ذبح کے ذریعہ حاصل ہوا۔ حدیث شریف "لِكُلِّ آيَةٍ ظَهْرٌ وَ بَطْنٌ" یعنی ہر آیت کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن۔ اس اصل کے مطابق یہ قربانی کا بطن ہے، یعنی جس طرح ہر عبادت کی ایک صورت ہوتی ہے یعنی ظہر اور ایک روح ہوتی ہے یعنی بطن اسی طرح اس قربانی کی بھی جیسے ایک صورت ہے جو سب کو معلوم ہے اسی طرح ایک روح بھی ہے یعنی نفس کو ذبح کرنا کہ وہی لڑکے کو ذبح کرنے کی بھی روح ہے، تو قربانی کی حقیقت فناء نفس ہوئی اسی واسطے ابراہیم علیہ السلام کو ذبح ولد (یعنی لڑکے کو ذبح کرنے) کا حکم ہوا نہ کہ اپنی ذات کے ذبح کا، اس لئے کہ اولاد کی گردن اپنے ہاتھ سے کاٹنا جس قدر نفس پر شاق اور سخت ہے، اپنی گردن اپنے ہاتھ سے کاٹ لینا اس کے مقابلہ میں آسان ہے، کوئی باپ ہوش وحواس کی حالت میں کبھی اس فعل کو گوارہ نہیں کرے گا۔ بلکہ اپنی جان دے دینا نہایت آسان اور سہل سمجھے گا اور فناء نفس کے یہی معنی ہیں کہ اپنے نفس کی مخالفت کرنا اور یہ معنی لڑکے کو ذبح کرنے میں خود اپنے کو ذبح کرنے سے بہت زیادہ موجود ہیں۔

بتلایئے یہ باطن کون سی نص کے خلاف ہے، یادرکھو محققین صوفیہ کی کوئی بات قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہوتی اگر ہو تو وہ تصوف نہیں زندقہ ہے۔ (سنت ابراہیمؑ ص ۴۹)

خلاصہ یہ ہے کہ ہر عبادت کی ایک روح ہوتی ہے اور قربانی کی روح فناءِ نفس ہے جو لڑکے کے ذبح کے ذریعہ سے واقع ہوئی تھی۔ اور فناءِ نفس یہ ہے کہ خواہش کے خلاف کام کرنا مثلاً اگر نفس کی آرزو چار نوافل کی ہو تو آٹھ پڑھو، اگر نفس نفلی روزے سے اعراض کرے اور نفلی نماز سے خوش ہو تو نفلی روزہ کو اختیار کرے۔

پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ قربانی کی روح فناءِ نفس ہے تو جس قربانی سے فناءِ نفس نہ ہو وہ قربانی بے روح ہے۔ گویا قربانی ہی نہیں۔[1]

قربانی کا حکم حاجیوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے بھی ہے

یہ کہنا بعید نہیں ہے کہ غیر حاجی پر قربانی کا واجب ہونا تشبہ بالحاج (یعنی حاجیوں کے ساتھ مشابہت) کی وجہ سے ہے کہ جو لوگ مکہ میں نہیں اور حج میں مشغول نہیں وہ حاجیوں کے ساتھ مشابہت ہی کر لیں۔ چنانچہ جیسے حج میں تلبیہ (لبیک اللھم لبیک الخ) ہوتا ہے، یہاں اس کے مشابہ تکبیر تشریق ہے جو ہر مسلمان عاقل بالغ پر ایام تشریق میں واجب ہے، جبکہ جماعت سے نماز پڑھے اور تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے مستحب ہے۔

نیز جو لوگ قربانی کرنے والے ہیں ان کے لئے یہ بھی مستحب ہے کہ ذی الحجہ سے قربانی تک اپنے ناخن اور بال وغیرہ نہ کٹوائیں، بلکہ قربانی کے بعد حلق یا قصر کریں، اس میں حالت احرام کے ساتھ تشبہ ہے، اور جن پر قربانی واجب نہیں اگر وہ بھی ایسا کریں تو بہت ثواب ہے، اب تو قربانی کی مناسبت حج سے بالکل ہی ظاہر ہے۔

تیسرے حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے سوال کیا کہ حج کی حقیقت کیا ہے؟ تو حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا حج کی حقیقت ہے تلبیہ میں آواز بلند کرنا اور قربانی میں خون بہانا، اب تو مناسبت کامل طور پر ظاہر ہو گئی کہ حضور ﷺ نے قربانی

[1] سنت ابراہیمؑ ص ۵۶

کو حج کی حقیقت میں داخل فرمایا ہے، گو وہ ارکان میں سے نہ ہو، مگر اس کو حج کے ساتھ ایسا قوی تعلق ہے کہ گویا حج میں داخل ہے۔ رمضان کے بعد جب حاجیوں کی روانگی ہوتی ہے تو غیر حجاج کے دل پر بھی ایک نشتر سا لگتا ہے وہ بھی حسرت کے ساتھ ان جانے والوں کو دیکھتے ہیں اور اس وقت ہر مسلمان کے دل میں ایک خاص داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ ہائے ہم بھی اس وقت حج کو جاتے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن کی نیت ہی بڑی چیز ہے، (الغرض اللہ تعالیٰ نے قربانی کا حکم حاجیوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے دیا ہے۔[1]

قربانی کرنے سے حج کی برکت کا حصہ بھی نصیب ہوتا ہے

قربانی ہماری جان کے قائم مقام ہے، اور دیگر مقامات پر (یعنی منیٰ کے علاوہ) جو سب مسلمان قربانی کرتے ہیں تو اس کا راز یہ ہے کہ حج کے برکات تو ان ہی کو حاصل ہوتے ہیں جو حج سے مشرف ہوتے ہیں اور جو وہاں جانے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ اس کے برکات سے محروم تھے، اس لئے حق تعالیٰ نے حج کا ایک جز ان پر واجب کر دیا تا کہ تشبیہ بالحجاج (یعنی حاجیوں کے ساتھ مشابہت ہو جائے) سے ان کو بھی ان برکات کا ایک حصہ نصیب ہو جائے، اور نیز پہلے بیان کیا ہے کہ قربانی بھی منجملہ ان مجاہدات کے ہے جو طبیعت کی تسخیر (یعنی طبیعت کو مغلوب اور تابع) کرنے کے لئے ہے اور طبیعت کی تسخیر (یعنی شریعت کے تابع کر دینے) کی ہر ایک کو ضرورت ہے اسی لئے سب کو یعنی حاجیوں کو بھی قربانی کا حکم ہوا اور یہ سنت ابراہیمی ہے۔[2]

---

[1] سنت ابراہیم، ص ۱۷۲ تا ۱۷۵ [2] التہذیب ملحقہ سنت ابراہیم، ص ۳۵۱

حج اور قربانی عبادت بدنی ہے یا مالی

بعض فقہاء نے حج کی مرکب ہونے کی تصریح فرمائی ہے کہ (حج ایسی عبادت ہے جو بدنی بھی ہے اور مالی بھی یعنی اس میں بدن پر بھی مشقت ہوتی ہے اور مال بھی خرچ ہوتا ہے) البتہ قربانی کا مرکب ہونا کسی قول میں نظر سے نہیں گزرا لیکن غور کرنے سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ بھی مرکب ہے، گواس میں مالیت (یعنی مال خرچ کرنے) کی شان غالب ہو، مگر جس طرح باوجود بدنیت کے غالب ہونے کی وجہ سے اور مال کے مغلوب اور متعلق ہونے کی وجہ سے حج کو مرکب کہہ دیا۔ اسی طرح یہاں باوجود مالیت غالب ہونے کے بدنیت (یعنی بدنی مجاہدہ کے مغلوب اور) متعلق ہونے کی وجہ سے اس کو بھی مرکب کہنا صحیح ہوسکتا ہے اور قربانی کا عبادت مالی ہونا تو ظاہر ہے مگر بدنی ہونے میں دو حیثیتیں ہیں۔

ایک خفی دوسرے جلی، جلی تو یہ کہ قربانی محض مال خرچ کرنے سے ادا نہیں ہوتی کہ کچھ روپئے اللہ کے واسطے کسی کو دے دیئے، البتہ اگر اتنی تاخیر کردے کہ قربانی کے ایام نکل جائیں تو اس وقت صدقہ کرنا ہی متعین ہے، لیکن اول تو اس صورت میں قربانی کے برابر فضیلت نہ ہوگی، دوسرے گفتگو اس میں ہے کہ اصل وظیفہ کیا ہے سو قربانی کا اصل وظیفہ تو یہی ہے کہ جانور ذبح کرو اور جانور کے ذبح کرنے میں ظاہر ہے کہ اتعاب بدن (یعنی اپنے بدن کو مشقت اور تکلیف میں ڈالنا ہوتا) ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ زکوٰۃ بھی مرکب ہے کیونکہ ہاتھ سے دینا پڑتا ہے اور اس میں کسی قدر تعب ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر طبیعت سلیمہ ہے تو سمجھ میں آجائیگا کہ مال کے خرچ کرنے میں معتدبہ (کوئی خاص) بدن کو تعب نہیں اور قربانی میں کھلا ہوا تعب ہے۔ اسی واسطے قربانی ہر شخص سے نہیں ہوسکتی (اور زکوٰۃ کی رقم) دینا تو بچہ بھی کرسکتا ہے۔ دوسرے یہ غور کیجئے کہ اتعاب بدن (یعنی بدن کو مشقت ہونا) من حیث ہو مقصود ہے (یعنی

خود ہوتی ہے۔یا اس وجہ سے کہ نفس پر محنت ومشقت ہوتی ہے اس سے بدن کو تکلیف ہوتی ہے؟

ہر شخص قواعد شرعیہ سے جانتا ہے کہ بدن کو تکلیف نفس کی وجہ سے ہوتی ہے اگر نفس نہ ہوتو ایذاء بھی نہ ہو ----- بدن کو جب بھی تعب ہوگا نفس کی وجہ سے ہوگا، کیونکہ جب نفس جدا ہو جاتا ہے تو کچھ تکلیف نہیں ہوتی، تو ثابت ہو گیا کہ بدن کو تکلیف نفس کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پس اتعاب بدن (یعنی بدن کی مشقت) کی اصل اتعاب نفس (یعنی نفس اورروح کو تکلیف پہچانا ہوا) پس اگر ہم قربانی میں اتعابِ نفس (یعنی نفس کا مشقت میں پڑنا) ثابت کردیں تب تو اس میں عبادت بدنیہ کے معنی ثابت ہو جائیں گے۔سو قربانی میں اتعاب نفس واقعۃً موجود ہے،(آپ خود دیکھ لیجئے کہ)جس وقت جانور کے گلے پر بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر چھری پھیرتے ہیں تو کیا دل نہیں دکھتا؟ بہت دل دکھتا ہے، حتیٰ کہ بعض لوگ اسی وجہ سے اپنے ہاتھ سے ذبح بھی نہیں کر سکتے۔[1]

نیز قربانی کی اصل اپنے نفس کو فدا کر دینا ہے، اور اعتبار اصل ہی کا ہوتا ہے، تو اس اصل کے اعتبار سے قربانی خالص عبادت بدنیہ ہوئی، اب مالیت کا پہلو مغلوب ہو گیا اور بدنیہ کا پہلو غالب ہو گیا بہر حال یہ عبادت یعنی قربانی عبادت مالی وبدنی سے مرکب ہوئی۔[2]

بجائے قربانی کے اتنی رقم خیرات کرنا کافی نہیں

مسئلہ : خود قربانی کی قیمت دینے سے واجب قربانی ادا نہ ہوگی۔اگر کسی نے ایسا کیا، گنہگار ہوگا، **لان الابدال لاتنصب بالرّای کما صرّح به الفقهاء**[3]

---

[1] روح الحج والحج ملحقہ سنت ابراہیم، ص۳۷۹ تا ۳۸۴ [2] روح الحج والحج ص۳۹۱
[3] امداد الفتاوی ص۵۵۵ ج۳

بجائے قربانی کے اتنی رقم صدقہ کرنے کا نقصان

مجھے ایک حکایت یاد آئی ہے وہ یہ کہ ایک شخص تھے جو قربانی کے دنوں میں جانور ذبح نہ کرتے تھے بلکہ اس کی قیمت خیرات کر دیا کرتے تھے، ایک رات کو خواب میں وہ کیا دیکھتے ہیں کہ میدان قیامت برپا ہے اور پل صراط قائم ہے، اور دوسرے کنارے پر جنت ہے بہت لوگ اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہو ہو کر پل صراط کو طے کرتے ہیں اور جنت میں داخل ہو جاتے ہیں اور یہ شخص حیران اور پریشان کھڑا ہے کہ میں کس طرح سے گزروں نہ میرے پاس کوئی سواری ہے نہ اور کوئی حیلہ ہے اور یہ شخص یہ بھی سوچ رہا تھا کہ یہ سواریاں لوگوں کے پاس کہاں سے آتی ہیں اور کون دیتا ہے، اچانک آواز آئی کہ یہ سواریاں ان لوگوں کی ہیں جنہوں نے دنیا میں اپنے لئے تیار کی تھیں۔ یعنی یہ سواریاں قربانی کے جانور ہیں چونکہ تم قربانی نہیں کرتے ہو لہٰذا تم سواری سے محروم ہو، جب آنکھ کھلی تو بہت متاثر ہوئے اور قربانی نہ کرنے سے توبہ کی اور قربانی کرنے لگے۔

صاحبو! قربانی کا یہ نتیجہ تو بالکل ظاہر (کھلا ہوا) ہے حدیث شریف میں اس کی صراحت ہے۔[1]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی قربانیوں کو خوب طاقتور کیا کرو یعنی کھلا پلا کر کیونکہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔[2]

بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ بالکل گھٹیا جانور کی قربانی کرتے ہیں، حالانکہ قربانی اولاد کے قائم مقام ہے، جیسا کہ بِنا قربانی کا واقعہ اس پر شاہد ہے اس لئے چاہئے کہ عمدہ جانور کی قربانی کی جائے، غرض اچھا جانور ذبح کرنا چاہئے۔[3]

---

۱ ۳ سنت ابراہیم ص ۶۲ ۲ کنز العمال، حیات المسلمین

قیامت میں قربانی کی بہت سے جانور ہوں گے تو کس جانور پر سواری ہوگی

ایک بزرگ اہل حال اس غلطی میں مبتلا تھے کہ ہمیشہ دام دے دیا کرتے اور قربانی نہ کرتے، ایک روز خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے سب کے پاس سواری ہے ان کے پاس نہیں، انہوں نے سواری طلب کی جواب ملا کہ یہاں کہاں سواری جو قربانی کرتے ہیں ان کو یہاں سواری ملتی ہے، تم قربانی نہیں کرتے جاؤ گھسٹے ہوئے، بیدار ہوئے تو بہت پریشان ہوئے فوراً توبہ کی اور قربانی کرنا شروع کر دیا۔

اس پر بعض نوعمر ہنستے ہیں کہ اگر بہت سے جانور ہوں گے تو کونسے جانور پر سواری ہوگی، اللہ تعالیٰ سب پر قادر ہے، ایک تو یہ صورت ہے کہ سب کے عوض میں ایک بہت بڑا جانور دے دیں، ورنہ سب کی ڈاک لگا دیں، اگر کسی کے اصطبل (وہ جگہ جہاں گھوڑے باندھے جاتے ہیں) میں بہت سے گھوڑے بندھے ہوں تو کیا اس پر بھی کبھی تعجب کیا ہے کہ اتنے گھوڑوں میں کس پر سواری کرتا ہوگا، وہاں تو یہ سمجھ لیتے ہو کہ مثلاً یہ ڈاک لگانے کے کام میں آتے ہیں، طویل سفر ہو تو ایک گھوڑا کام نہیں دے سکتا تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر ایک ایک گھوڑا بھیج دیا جاتا ہے اور نہایت سہولت سے اتنا بڑا سفر بہت جلد طے ہو جاتا ہے، آخرت کی سب باتوں پر تعجب ہوتا ہے اور دنیا کی کسی بات پر تعجب نہیں (کتنے تعجب کی بات ہے) دنیا کی سب باتوں کو عقل کے قریب کر لیتے ہیں۔

یہ سوال ہی واہیات ہے کہ بہت سے جانور ہوں گے تو کون سے جانور پر سواری ہوگی یہاں بھی اس کی نظیر موجود ہے اور اصل بات تو یہ ہیکہ اس توجیہ پر کوئی موقوف نہیں ہم یوں کیوں نہ کہہ دیں کہ تعدد کے وقت ہم کو معلوم نہیں کس طرح ہوگا کیونکہ ہم کو بتلایا تو گیا نہیں اور رائے کا دخل نہیں خواہ یہ صورت ہو جائے یا کچھ اور ہو جائے۔[1]

[1] روح الارواح، ص ۴۷۸

باب۵
قربانی عقل کی روشنی میں
معترضین کے اعتراضات اوران کے جوابات
قربانی حق تعالیٰ کی مرضی اورنظام قدرت کے مطابق ہے

خدا تعالیٰ کو ماننے والی قومیں خواہ وہ کوئی ہوں اس بات کی ہرگز قائل نہیں ہیں کہ خدا تعالیٰ ظالم ہے بلکہ خدا تعالیٰ کو رحمٰن ورحیم مانتے ہیں، اب خدا تعالیٰ کا فعل دیکھو کہ ہوا میں باز (پرندہ) شکرا، گدھ، چرغ وغیرہ شکاری جانور موجود ہیں اور وہ غریب پرندوں کا گوشت ہی کھاتے ہیں، گھاس اور عمدہ سے عمدہ میوے اور اس قسم کی کوئی چیز نہیں کھاتے۔

نیز دیکھو پانی میں کس قدر خونخوار جانور موجود ہیں، گھڑیال، اور بڑی مچھلیاں چھوٹے چھوٹے پانی میں رہنے والے جانوروں کو کھاجاتے ہیں بلکہ بعض مچھلیاں قطب شمالی سے قطب جنوبی تک شکار کے لئے جاتی ہیں، مکڑی مکھیوں کا شکار کرتی ہے، بندروں کو چیتا مار کر کھاتا ہے، جنگل میں شیر بھیڑیئے، تیندوکی جو غذا ہے وہ سب کو معلوم ہے، بلی کس طرح چوہوں کو پکڑ کر ہلاک کرتی ہے، اور دیکھو آگ میں پروانوں (اڑنے والے کیڑوں) کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔

اب بتلاؤ کہ اس نظارہ عالم (اللہ تعالیٰ کے قدرتی نظام) کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ذبح کا قانون جو عام طور پر جاری ہے یہ کسی ظلم کی بنا پر ہے؟ ہرگز نہیں، پھر انسان پر جانوروں کے ذبح کرنے کے الزام کا کیا مطلب؟ انسان کے جسم میں جوئیں پڑ جاتے ہیں، یا کیڑے پڑ جاتے ہیں کیسے بے باکی سے انکی ہلاکت (اور مارنے) کی کوشش کی جاتی ہے، کیا اس کا نام ظلم رکھا جاتا ہے؟ جب اسے ظلم نہیں کہتے کہ اعلیٰ کے خاطر ادنیٰ کا قتل جائز



ہے تو جانور کے ذبح کرنے پر اعتراض کیوں ہوسکتا ہے۔

بلکہ غور کرو اور ملک الموت کو دیکھو کیسے کیسے انبیاء ورسولوں اور بادشاہوں بچے، غریب، امیر، سوداگر سب کو جان سے مار دیتے اور دنیا سے نکال دیتے ہیں، اگر ہم جانوروں کو عیدالاضحیٰ میں اس لئے ذبح نہ کریں کہ ہمارا ذبح کرنا رحم کے خلاف ہے تو کیا اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ زندہ رکھے گا؟ اور ان پر حکم ہوگا کہ وہ نہ مریں؟

اس تمہید کے بعد گزارش ہے کہ اگر جانوروں کو ذبح کرنا خلاف رحم ہوتا تو اللہ تعالیٰ شکاری اور گوشت خور جانوروں کو پیدا نہ کرتا۔

نیز اگر ان کو ذبح نہ کیا جائے تو خود بیمار ہوکر مریں گے پس غور کرو کہ ان کے مرنے میں کیسی تکلیف ان کو لاحق ہوگی۔

قانون الٰہی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چیز بے حد بڑھنا چاہتی ہے اگر ہر ایک برگد کے بیج حفاظت سے رکھے جائیں تو دنیا میں برگد ہی برگد ہوں اور دوسری کوئی چیز نہ ہو، مگر دیکھو ہزار جانور اس کا پھل کھاتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس بڑھنے کو روکنا اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے اسی طرح اگر سارے گایوں کی پرورش کریں تو ایک وقت میں دنیا کی ساری زمین بھی ان کے چارے کے لئے کافی نہ ہوگی۔ آخر بھوک پیاس سے خود ان کو مرنا پڑے گا جب یہ قدرت کا نظام موجود ہے تو ذبح کرنا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کیوں ہوگا۔[1]

قربانی کے خلاف عقل ہونے کا شبہ اور اس کا جواب

اگر کوئی کہے کہ قربانی عقل کے خلاف ہے کیونکہ (قربانی کے ذریعہ) خدا تعالیٰ خرچ کرا کر لیتے بھی نہیں پھر کیا چیز مطلوب ہے کیوں خرچ کرواتے ہیں؟ اس کا مقصد کیا ہے، اگر یہ کہو کہ ہم کو گوشت کھلانا منظور ہے تو منیٰ اور مکہ معظّمہ میں ہزاروں جانور ذبح ہوتے

[1] المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ، ص ۱۶۷



ہیں ان کا کوئی گوشت بھی نہیں کھاتا، بالکل ضائع ہوتے ہیں اور یہ عقل کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جناب من ہے تو فحش بات لیکن سمجھانے کیلئے عرض ہے کہ اگر تمہاری عقل میں کسی شئی کا نہ آنا خلاف عقل ہونے کی دلیل ہے تو ہمارا آپ کا پیدا ہونا جس طریقہ سے ہوا ہے، وہ بھی عقل کے خلاف ہے، اور اس کا امتحان یہ ہے کہ ایک بچہ ایسا تجویز کیا جائے کہ تہ خانہ (اور کوٹھری) میں اس کی پرورش کی جائے اور اس کے سامنے کبھی اس کا تذکرہ نہ کیا جائے کہ آدمی کس طرح پیدا ہوتا ہے حتیٰ کہ جب بیس برس کا ہو جائے تو اس سے اچانک کہا جائے کہ آدمی اس طریقہ سے پیدا ہوتا ہے، تو ہرگز اس کی عقل میں نہ آئے گا۔ اور ہم چونکہ رات دن دیکھتے اور سنتے ہیں کہ اس طریقہ سے انسان پیدا ہوتا ہے اس لئے ہم کو خلاف عقل نہیں معلوم ہوتا، تو جناب ہم تو جب سے پیدا ہوئے ہیں ہمارے تمام حالات ہی خلاف عقل ہیں، ہماری عقل تو بس کھانے کمانے کی ہے ایسے ہی جیسے کسی نے کسی بھوکے سے پوچھا تھا کہ دو ۲ اور دو ۲ کتنے ہوتے ہیں؟ کہا کہ چار روٹیاں، ایسے ہی ہماری عقل صرف اس قدر ہے کہ کھالو اور پی لو اور باتیں بنالو، جب اتنی عقل ہے تو شریعت کے اسرار کہاں سے سمجھ میں آئیں۔

اسی طرح قربانی کی حکمت اگر ہماری عقل میں نہ آئے تو قابل انکار کیسے ہوگئی؟ اسلئے ہمارے ذمہ ضروری نہیں ہے کہ اس حکمت کو بیان کریں لیکن تبرعاً بتائے دیتے ہیں۔[1]

کیا قربانی عقل کے خلاف ہے

جولوگ قربانی کو عقل کے خلاف کہتے ہیں وہ سن لیں کہ پوری دنیا میں قربانی کا رواج ہے اور قوموں کی تاریخ پر نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادنی چیز اعلیٰ کے بدلہ میں قربان کی جاتی ہے اور یہ سلسلہ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سی بڑی چیزوں میں پایا جاتا ہے۔

[1] ترغیب الاضحیۃ، ص ۱۲۸

ہم بچے تھے تو یہ بات سنی تھی کہ کسی کو زہریلا سانپ کاٹے تو وہ انگلی کاٹ دی جائے تا کہ پورا جسم زہریلے اثر سے محفوظ رہے۔ گویا انگلی پورے جسم کے لئے قربان کی گئی ہے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا کوئی دوست آجائے تو جو کچھ ہمارے پاس ہو اس کی خوشی کے لئے قربان کرنا پڑتا ہے، گھی، آٹا، گوشت وغیرہ قیمتی اشیاء اس پیارے کے سامنے کوئی ہستی نہیں رکھتی۔

اور اگر اس سے زیادہ عزیز ہو تو مرغے مرغیاں حتیٰ کہ بھیڑیں اور بکرے قربان کئے جاتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر گائے اور اونٹ بھی عزیز مہمان کے لئے قربان کردیئے جاتے ہیں۔ طب (ڈاکٹری) میں دیکھا گیا ہے کہ وہ قومیں جو اس کو جائز نہیں سمجھتیں کہ کوئی جانور قتل ہو وہ بھی اپنے زخموں کے سیکڑوں کیڑوں کو مار کر اپنی جان پر قربان کردیتے ہیں۔

اور اس سے اوپر چلو تو ہم دیکھتے ہیں کہ ادنیٰ لوگوں کو اعلیٰ کے لئے قربان کیا جاتا ہے، مثلاً بھنگی ہیں، گو تمام قوموں کی عید ہی کا دن ہو مگر ان بیچاروں کے سپرد وہی کام ہوتا ہے بلکہ ایسے ایام میں ان کو زیادہ تاکید ہوتی ہے کہ لوگوں کی آسائش اور آرام کے خاطر کوئی گندگی کسی راستہ میں نہ رہنے دیں گویا ادنیٰ کی خوشی اعلیٰ کی خوشی پر قربان ہوئی۔ بعض ہندو گئو رکھشا بڑے زور سے کرتے ہیں ''لداخ'' کے ملک میں تو دودھ تک نہیں پیتے، کیونکہ یہ بچھڑوں کا حق ہے، مگر یہاں کے ہندو دھوکہ دے کر اس کا دودھ دوہ لیتے ہیں اور پھر اس سے اور اس کی اولاد سے سخت کام لیتے ہیں یہاں تک کہ اپنے کاموں کے لئے انہیں مار مار کر درست کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک قسم کی قربانی ہے۔

ادنیٰ سپاہی اپنے افسر کے لئے اور وہ افسر اپنے اعلیٰ افسر کے لئے اور وہ اعلیٰ افسر اپنے بادشاہ کے بدلہ میں قربان ہوتا۔ پس خدا نے بھی اس فطرتی مسئلہ کو برقرار رکھا، اور اس قربانی میں تعلیم دی کہ ادنیٰ اعلیٰ کے لئے قربان کیا جائے۔[1]

---

[1] (المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ، ص۱۶۴)

قربانی کی حقیقت نذر ہے

قربانی میں فضول رقم ضائع ہونے کا شبہ اوراس کا جواب

قربانی کی ہیئت دیکھئے کہ وہ بالکل نذر کی صورت ہے، جیسے کسی کے سامنے نذر پیش کررہے ہوں۔ کیونکہ کھانے پینے کے لئے قربانی ہوتی تو ہر شخص کوایک سے زیادہ قربانی کی اجازت نہ ہوتی کیونکہ اس سے زیادہ کھانے کے کام میں نہیں آسکتی، بلکہ ایک ایک قربانی بھی کریں تب بھی بہت سا گوشت بچ رہتا ہے،مگراس کے باوجودایک شخص ہزار بکرے ذبح کرے تو شریعت اس کومنع نہیں کرتی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی روح نذر ہے۔

یہاں سے ان ملحدوں کے اعتراض کا جواب ہوگیا جو یہ کہتے ہیں کہ اس قدر جانوروں کے ذبح کرنے میں فضول رقم ضائع کی جاتی ہے، یہ رقم رفاہ عام میں خرچ کرنا چاہئے، میں کہتا ہوں کہ اگرکوئی شخص جارج پنجم (بادشاہ) کے سامنے دس لاکھ روپے نذرانہ پیش کرے تو وہاں کوئی نہیں کہتا کہ یہ روپیہ رفاہ عام میں خرچ کرنا چاہئے بلکہ وہاں تو تعریف ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے بڑی ہمت سے کام لیا کہ دس لاکھ روپئے نذرانہ میں پیش کئے۔

افسوس کہ خدا کے سامنے کوئی نذر پیش کرے تو اس کی رقم کوفضول ضائع کرنا کہا جاتا ہے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج کل جو بعض مسلمانوں میں عقل کی کمی ہے اوروہ شریعت کے احکام پر اشکال کرتے ہیں اس کا بڑا سبب خدا سے تعلق کی کمی ہے۔اگر ان کو خداتعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوتا تو ان کی عقلیں درست ہوجاتیں۔ان لوگوں کو رقم ضائع ہونے کا شبہ اسلئے ہوا کہ انہوں نے قربانی کی غرض گوشت کھانا سمجھا حالانکہ قربانی کی یہ غرض نہیں بلکہ اسکی غایت صرف خدا کے نام پر جانیں فدا کرنا ہے، مکہ معظّمہ میں جا کراس

کا نمونہ نظر آتا ہے کہ قربانی کی کوئی حد ہی نہیں بلکہ مقتل (ذبح کرنے کا مرکز) نظر آتا ہے کہ ایک جگہ ہزاروں لاکھوں جانیں خدا تعالیٰ کے نام پر قربان کی جاتی ہیں۔ اب ہمارے رفارمر وہاں بھی رائے دیتے ہیں کہ سلطان کو ان جانوروں کی کھالیں کھینچ لینا چاہئے اور ان سے رفاہ عام کا کام نکالنا چاہئے۔ حالانکہ رئیس العقلاء، سید الحکماء افضل الانبیاء حضور ﷺ فرماتے ہیں "اَلْحَجُّ الْعَجُّ وَالثَّجُّ" کہ حج نام ہے بلند آواز سے لبیک کہنے کا اور اللہ کے نام پر خون بہانے کا، جو اس دربار کا نذرانہ ہے، حضورؐ نے فقط جان لینا اور خون بہانا فرمایا ہے، کھانے تک کا بھی تو ذکر نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کی اصل روح اللہ کے لیے نذر ہے، اور حج کی روح دیوانہ شدن ہے۔[1]

دل دکھنے اور مال ضائع ہونے کا شبہ

یہ کہنا کہ قربانی میں مال ضائع کرنا ہوتا ہے جیسے آج کل نو تعلیم یافتہ حضرات کا خیال ہے سراسر غلط ہے۔ کیونکہ قربانی کا مقصود تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اظہار محبت (اور اس کے حکم کی تعمیل) ہے اور وہ اس میں حاصل ہے، پھر مال کہاں ضائع ہوا۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ جی دکھتا ہے کہ ہماری شئی جاتی رہی اس کا جواب یہ ہے کہ تمہاری شئی آئی کہاں سے؟ تم خود مملوک ہو، غلام کسی شئی کا مالک نہیں ہوا کرتا، اگر کوئی کہے کہ ہم مملوک نہیں ہیں، اول تو یہ کہ کون ایسا ہوگا جس کا یہ اعتقاد ہو کہ ہم اللہ کے مملوک نہیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کی دلیل بھی ہے وہ یہ کہ دیکھو خودکشی حرام ہے اگر تم اپنے مالک ہوتے تو اپنے اندر جو چاہے تصرف کر سکتے تھے پس آپ بھی خدا کے ہیں اور جانور بھی خدا کے۔

اور اگر کوئی کہے کہ مال خرچ کرنے سے تو دل تنگ نہیں ہوتا بلکہ اس سے دل دکھتا ہے کہ جانور کی جان ضائع ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ بے فکر رہئے جب خود

[1] السوال فی شوال ملحقہ سنت ابراہیمؑ ص ۱۹۴

مالک ہی ضائع کرائے تو آپ کون بڑے دردمند نکل کر آئے ہیں ''ہر عیب کہ سلطان بہ پسند ہنر ست''، یعنی جس عیب کو بھی بادشاہ پسند کرے وہ ہنر ہے۔[1]

قربانی پر اعتراض کرنے والوں سے ایک سوال

ان معترضین سے کوئی پوچھے کہ تم نے اس کا تو انسداد کیا کہ اللہ کے کہنے سے (یعنی اللہ کے قربانی کا حکم دینے کے بعد بھی) مسلمان نہ کاٹیں (یعنی قربانی نہ کریں) مگر اس کا بھی کچھ انسداد کیا کہ اللہ میاں بھی جان نہ لیں، کیا نعوذ باللہ یہ اللہ میاں کی بے رحمی ہے؟ جو جواب اسکا ہے وہی جواب ہمارا ہے۔

پھر ان معترضین سے پوچھنا چاہئے کہ کیوں صاحب مطلق تکلیف بے رحمی ہے یا خاص ذبح کرنا ہی بے رحمی ہے، اگر خاص ذبح کرنا بے رحمی ہے تو تخصیص کی وجہ (اور دلیل) بتلایئے اور اگر مطلق تکلیف بے رحمی ہے تو ہلوں میں چلا کر جوڑ نڈوں سے انہیں پیٹتے ہو اور گاڑیوں میں جوت کر انہیں چھیدتے ہو یہ بے رحمی نہیں ہے؟ اور پھر ہزاروں چیزیں چمڑے کی بنتی ہیں اور یہ معترضین بھی استعمال کرتے ہیں کیا یہ رحم کی خلاف نہیں ہے؟ اور کیا یہ بے رحمی کا سبب بننا نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عقل اور سمجھ سے کام لیا جائے تو جانوروں کا ذبح کرنا بالکل عقل کے موافق ہے، (کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے) لیکن مسلمانوں کو اُس محبوب حقیقی (یعنی اللہ تعالیٰ) سے ایسی محبت ہے کہ اس کے سامنے سب محبتیں گرد ہیں، جانور سے مسلمانوں کو بھی محبت ہے اور اندر سے ان کا دل دکھتا ہے لیکن عقل اور دین کا تقاضا ایسا ہوتا ہے کہ اس پر وہ غالب آجاتا ہے، دیکھو اگر نوکر سے ہم کسی بات کا حکم کریں وہ اپنی عقل کو دخل دے اور چوں چرا کرے تو کس قدر ناگوار ہوتا ہے اور اس کو نافرمان قرار دیا جاتا ہے،

[1] ترغیب الاضحیۃ ملحقہ سنت ابراہیم ص ۱۲۹

حالانکہ نوکر کا تعلق کمزور درجہ کا ہے، جب اس کمزور تعلق پر یہ کیفیت ہے تو خدا تعالیٰ سے تو بندہ کا تعلق بہت بڑا ہے اس نے جب حکم دیا تو اس کے حکم کے سامنے چوں چرا کی گنجائش نہ ہونا چاہئے۔[1]

جانوروں کے ذبح کرنے کی عقلی دلیل

جن لوگوں نے ذبح کو عقلاً مستحسن (یعنی پسندیدہ) ثابت کرنا چاہا ہے انہوں نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ اگر جانور ذبح نہ کئے جائیں، تو چند روز بعد جانور بوڑھا ہو جائے گا اور پھر بالکل معذور ہو کر مرے گا، اس سے انسان کو بھی تکلیف ہوگی کہ وہ تھا تو مخدوم مگر اب جانور کے بڑھاپے اور معذوری میں اس کی خدمت کرنی پڑے گی۔ اور یہ بالکل قلب موضوع ہے۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ وہ وقت آنے سے پہلے ہی اس کو کام میں لے آؤ تا کہ انسان خادمیت سے اور جانور بڑھاپے اور معذوری کی تکلیف سے محفوظ رہے۔[2]

قربانی کے ظلم اور رحم کے خلاف نہ ہونے کی عقلی دلیل

ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ سے زیادہ رحم کسی مذہب میں بھی نہیں ہے، اور جانوروں کا ذبح کرنا رحم کے خلاف نہیں بلکہ انکے حق میں اپنی موت مرنے سے ذبح ہو کر مرنا بہتر ہے، کیونکہ خود مرنے میں قتل اور ذبح کی موت سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے، رہا یہ سوال کہ پھر انسان کو بھی ذبح کر دیا جایا کرے تا کہ آسانی سے مرجایا کرے، اس کا جواب یہ ہے کہ ناامیدی کی حالت سے پہلے تو ذبح کرنا تو جانتے سمجھتے ہوئے قتل کرنا ہے، اور ناامیدی کی حالت کا کچھ پتہ نہیں چل سکتا کیونکہ بعض لوگ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں کہ مرنے کے قریب ہو گئے تھے پھر اچھے ہو گئے، اور اگر یہ شبہ جانوروں میں بھی کیا جائے کہ

[1] الضحایا، ص ۱۵۶ تا ۱۵۷ [2] روح الحج والحج، ص ۳۹۵ سنت ابراہیم

ان کی ناامیدی کا انتظار نہیں کیا جاتا (ایسا کیوں ؟) اس کا جواب یہ ہے کہ جانوروں اورانسانوں میں فرق ہے، وہ یہ کہ انسان کا تو باقی رکھنا مقصود ہے کیونکہ دنیا کی پیدائش سے وہی مقصود ہے اسی لئے ملائکہ کے موجود ہوتے ہوئے اس کو پیدا کیا گیا ہے، بلکہ تمام مخلوق کے موجود ہونے کے بعد اس کو پیدا کیا گیا، کیونکہ نتیجہ اور مقصود تمام مقدمات کے بعد موجود ہوتا ہے، اس لئے انسان کے ذبح اور قتل کی اجازت نہیں دی گئی۔ ورنہ بہت لوگ ایسی حالت میں ذبح کردیئے جائیں گے جس کے بعد ان کے تندرست ہونے کی امید تھی اور ذبح کرنے والوں کے نزدیک وہ ناامیدی کی حالت تھی۔ اور جانور کو باقی رکھنا مقصود نہیں (بلکہ انسانوں کے نفع کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے) اس لئے ان کے ذبح کی اجازت اس بنا پردے دی گئی کہ ذبح ہوجانے میں ان کو راحت ہے، اور ذبح ہوجانے کے بعد ان کا گوشت وغیرہ انسان کے باقی رکھنے میں مفید ہے، جس کا ابقاء مقصود ہے جانوروں کو اگر ذبح نہ کیا جائے اور یوں ہی مرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے تو وہ مردہ ہوکر اس کے گوشت وغیرہ میں سمّیت (زہر) کا اثر پھیل جائے گا۔ اوراس کا استعمال انسان کی صحت کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ تو انسان کی بقاء کا وسیلہ نہ بنے گا۔[1]

عقل اور سمجھ سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جانوروں کا ذبح کرنا عقل کے موافق ہے۔

مذہب کے معترضین پر میری پوری طرح نظر نہیں لیکن تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کے یہاں بھی یہ عمل تھا مگر اس کی تحقیق نہیں کہ کب سے ترک ہوا، معلوم ہوتا ہے کہ کسی فلسفی نے مشورہ دیا ہوگا کہ گھی دودھ کے لئے ان کو باقی رکھنا چاہئے۔[2]

---

[1] اشرف الجواب، ص ۱۵٦ افناء المحبوب، ص ۵ [2] الضحایا، ص ۱۵۸

اس اشکال کا جواب کہ مسلمان جانور ذبح کرتے ہیں بڑے سخت دل ہوتے ہیں

دوسری قوموں کا یہ شبہ کہ یہ لوگ بڑے سنگدل ہوتے ہیں کہ انھیں جانور کے گلے پر چھری پھیرتے ہوئے ذرا بھی رحم نہیں آتا، (یہ اعتراض) محض ناواقفیت اورہٹ دھرمی کی وجہ سے ہوا ہے، مگر عجیب بات ہے کہ یہ اعتراض گائے کی قربانی کی متعلق ہے، چوہے مرغی، بکری، اور کبوتر کے متعلق نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دال میں کالا ہے، یعنی اس اعتراض کا سبب ترحم (ہمدردی ورحم دلی) نہیں ہے، بلکہ محض مذہبی حمیّت اور عصبیت ہے۔

اوراگر کوئی ذہین آدمی مذہب سے قطع نظر کر کے سب جانوروں کے متعلق یہی اعتراض کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسے کیا خبر کہ مسلمان نرم دل ہوتے ہیں یا سخت دل؟ پس ان کا اعتراض اگرچہ مذہبی حمیّت وعصبیّت سے نہیں لیکن ناواقفیت سے ضرور ہے، ہمارا بڑا کمال یہ ہے کہ ہمارے اندر رحم بھی ہے (لیکن حق تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے) چھری پھیرتے ہیں یہ سمجھ کر کہ جو جان دینے والے ہیں یعنی خدا تعالیٰ اگر وہ مار ڈالیں تو جائز ہے ان کو حق ہے، اگر کوئی کہے کہ انہوں نے تو نہیں مارا اس کا جواب یہ ہیکہ ؎

نائب است اودست خدا است

یعنی وہ خدا کا نائب ہے اس کا فعل مثل خدا کے فعل ہے

یہ تو مسلم ہے کہ جان جس کی دی ہوئی ہو وہ لے سکتا ہے۔ ہم اس کے نائب ہیں اس نے ہمیں حکم دیا اسی لئے ہم نے چھری پھیر دی، باقی ہم نے خود جان نہیں نکالی، ہم نے تو فقط راستہ کھول دیا جان تو انہوں نے نکالی، اب کیا اشکال رہا کہ اہل اسلام بڑے سنگدل ہوتے ہیں آپ بڑے رحم دل ہوتے ہیں کہ خود چوہے نہیں مارتے مسلمانوں کے محلے میں چھوڑ آتے ہیں کہ یہ ماریں، جب تم ہمیں موش کشی میں اپنا نائب بناتے ہو تو اللہ تعالیٰ نے

اگر گاؤ کشی میں ہمیں اپنا نائب بنا دیا تو کیا قباحت ہوگئی۔ اللہ کی نیابت میں تو یہ نفع بھی ہے کہ مارو کھاؤ اور تمہاری نیابت میں تو فقط مار کر پھینک دینا ہی ہے۔ اور کچھ بھی نہیں۔

سبحان اللہ! یہ رحمدلی ہے کہ ہم سے نہیں مارے جاتے تم ماردو، نیابت اور کسے کہتے ہیں۔ یہ تو زبان سے کہنے سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر زبان سے کہتے تو ایک مسلمان بھی نہ کرسکتا کیونکہ یہ کس کو غرض تھی کہ وہ اپنا کاروبار چھوڑ کر تمہارے گھروں اور دکانوں پر چوہے مارنے جاتا، مگر ان کے گھر لا کر چھوڑ دیئے کہ اچھی طرح ان کو مار سکیں یہ رحم تو ایسا ہی ہوگیا کہ کسی کی ایک بے حیا بہو تھی اس سے کسی نے پوچھا کہ تمہارا شوہر کہاں گیا ہے۔ حیا کی وجہ سے منھ سے تو کہہ نہ سکی مگر بتلانا بھی ضروری تھا تو آپ نے کیا کیا کہ لہنگا اٹھا کر اسکے سامنے موتا اور اسکے اوپر سے پھاند گئی۔ مطلب یہ کہ ندی پار گیا ہے۔ تو بعضوں کا رحم ایسا ہی ہے جیسے اس بہو کی شرم تھی کہ منھ سے بولنے میں تو حیا تھی اور لہنگا کھول کر سامنے بیٹھ جانے میں حیا نہ تھی اور پھر مسلمانوں پر اعتراض۔

حضرات! میں بقسم کہتا ہوں کہ مسلمانوں کے برابر کسی قوم میں ترحم نہیں۔ مگر امتحان کے وقت معلوم ہوتا ہے، دنیا کے واقعات نے کھلم کھلا ثابت کر دیا ہے کہ رحم کے موقعوں پر رحم کرنا یہ مسلمانوں ہی کا خاصہ ہے، مسلمانوں کے برابر کوئی قوم رحم دل نہیں۔

میرے پاس ایک برہمن کا خط آیا تھا کہ مسلمانوں پر تو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ گاؤ کشی کرتے ہیں مگر یہ معترض قوم آدمیوں پر ظلم کرتی ہے، مجھے اس شخص کا قول نقل کرنے سے فقط یہ دکھلانا مقصود ہے کہ "الحق ماشهدت به الاعداء" کہ حق وہ ہے جس کی دشمن بھی شہادت دے دے، جادو وہ ہے جو سر پر چڑھ کر بولے۔[1]

---

[1] روح الحج والثج ملحقہ سنت ابراہیم، ص ۳۸۷

اس شبہ کا جواب کہ قربانی کرنا بڑی بے رحمی اور سنگ دلی ہے

(قربانی کے سلسلہ میں سب سے بڑا اعتراض لوگوں کا یہ ہے کہ) قربانی کرنا بے رحمی ہے، کیونکہ خوامخواہ بلاقصور جانوروں کا خون کرنا سخت بے رحمی اور بے انصافی وسنگ دلی ہے، اور نیز صرف اپنی خواہش نفسانی پورا کرنے کے لئے کسی جان کو ضائع کردینا عقل کے خلاف ہے۔

بظاہر یہ اعتراض قوی ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ بالکل لچر (کمزور) ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمانوں کو بے رحم اور اس فعل کو بے رحمی کہنا ہی غلط ہے، مطلق رحم سے تو کوئی شخص خالی نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ یہ مادہ تو حق تعالیٰ نے ہر ایک کے اندر رکھا ہے، باقی جس کو یہ سنگ دلی کہتے ہیں وہ حقیقت میں شجاعت (بہادری) ہے اور جس کا نام انہوں نے رحم رکھا ہے وہ ضعف قلب (یعنی دل کی کمزوری) ہے، قوی القلب (یعنی مضبوط دل والا) قاسی القلب (سخت دل) نہیں ہوتا، اور نہ ضعیف القلب کا رحم دل ہونا ضروری ہے، اور مسلمانوں سے زیادہ تو رحم دلی کسی کے اندر ہے ہی نہیں، ان کو تو تعلیم ہی رحم کی دی گئی ہے، ان کے رحم کی یہ کیفیت ہے کہ کسی شخص پر غصہ ہو اور اس نے بہت ستایا ہو، بہت تکلیف پہنچائی ہو لیکن وہ کہے کہ بھائی مجھے معاف کردو تو حکم یہ ہے کہ اس کو معاف کردو، اور اس سے بالکل کینہ نہ رکھو، اور دشمنوں پر بھی ان کو رحم کرنے کا حکم ہے، چنانچہ لڑائی میں حکم ہے کہ بوڑھوں اور عورتوں اور بچوں کو اور درویشوں (جوگیوں) گوشہ نشین کو مت مارو اور ناک کان مت کاٹو، جب یہ اپنے دشمنوں پر رحم کرنے والے ہیں تو جانوروں پر کیوں نہ رحم کریں گے یہ بے انتہا رحم دل ہیں لیکن ان کا رحم عقل کے ساتھ ہے بے عقلی کے ساتھ نہیں۔

رحم کی دو قسمیں

رحم کی بھی دو قسمیں ہیں ایک بے عقلی کے ساتھ جیسے ماں کا رحم کہ بچہ مچل رہا ہے کہ میں مکتب (اسکول) میں نہ جاؤں گا، اور مکتب میں جانے سے اس کو وحشت ہوتی ہے روتا ہے اور ماں اسکی حمایت کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ اچھا ہے نہ جائے اسکا دل ٹوٹے گا، اور ایک رحم عقل کے ساتھ ہوتا ہے جیسے باپ کا رحم ہے کہ اس نے بچہ کی یہ ضد دیکھی تو دو تین ہاتھ مارے اور پکڑ کر مکتب میں پہنچا دیا تو بظاہر تو یہ بے رحمی معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں ماں کا اس کی موافقت کرنا اور دل نہ توڑنا یہ اس کے حق میں ظلم ہے، کیونکہ اس کا انجام جہالت ہے۔ جس کے لئے ذلت وخواری لازم ہے، اور باپ کا مارنا عین رحم ہے، کیونکہ اس کا انجام اس کے حق میں بہتر ہے، ماں کے رحم کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بوڑھی عورت کے گھر شاہی باز چلا آیا اس نے دیکھا کہ اس کی چونچ بہت بڑی ہے، بوڑھی عورت بہت کڑھی کہ اے ہے یہ دانہ کس طرح چُنتا ہوگا معلوم ہوتا ہے کہ تیری ماں مرگئی ہے کسی نے تراشی نہیں اسی واسطے تیری چونچ بہت بڑھ گئی ہے، قینچی لے کر اس کی چونچ کتر دی، پھر دیکھا کہ ناخن بہت بڑے ہیں، کچھ ناخن تراش دیئے، غرض اس کو بالکل نکما کر دیا وہ کسی کام کا نہ رہا، ایسی ہی رحمدلی اہل باطل میں ہے کہ وہ جانوروں کے ذبح نہ کرنے کو رحم سمجھتے ہیں۔[1]

تمام قوموں میں مسلمان سب سے زیادہ رحمدل ہیں پھر قربانی کیوں کرتے ہیں

دنیا کے واقعات نے کھلم کھلا ثابت کر دیا ہے کہ رحم کے موقع پر رحم کرنا یہ مسلمانوں ہی کا خاصہ ہے مسلمانوں کے برابر کوئی قوم رحم دل نہیں (مسلمانوں کی رحمدلی مشہور ہے)

[1] الضحایا، ص ۱۴۹ ملحقہ سنت ابراہیم

جس شخص کے اندر اس درجہ رحم ہو اور پھر وہ اس پر عمل کرے (یعنی قربانی کرے) اس سے صاف معلوم ہوا کہ بے رحمی اس کا سبب نہیں ہے، بلکہ اس کے اندر ایک اور باریک بات ہے وہ یہ ہے کہ قربانی کا حکم رحم کے امتحان کا ہے، حق تعالیٰ دیکھتے ہیں کہ ہماری محبت زیادہ ہے یا مخلوق کی؟ (بندے) ہمارا حکم مانتے ہیں یا اپنی طبیعت اور فطری رحم پر عمل کرتے ہیں۔

ایاز کی سی مثال ہے کہ لوگوں نے سلطان محمود سے پوچھا تھا کہ آپ ایاز کو زیادہ کیوں چاہتے ہیں، اس کے اندر کیا خوبی ہے؟ سلطان نے کہا کہ کسی وقت دکھلا دیں گے کہ اس کے اندر کیا خوبی ہے، ایک روز خزانہ میں سے ایک بڑا قیمتی موتی نکلوایا اور وزیر اعظم کو حکم دیا کہ اس کو توڑ ڈالو، وزیر اعظم نے سمجھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کو آج دماغی خلل ہے عرض کیا کہ حضور پھر ایسا نایاب موتی میسر نہ ہوگا۔ اس حکم پر پھر نظر ثانی کر لیجئے، اس کے بعد دوسرے وزیر کو حکم دیا، دوسرے وزیر نے سوچا کہ جب وزیر اعظم نے باوجود مجھ سے زیادہ سمجھدار ہونے کے نہیں توڑا تو میں کیوں توڑوں، اس نے بھی عذر کیا، غرض سب نے انکار کر دیا، تو ایاز کو حکم دیا، ایاز نے کہا بہت اچھا فوراً دو پتھر لا کر ایک کے اوپر موتی رکھا اور دوسرے کو اس پر دے مارا وہ چکنا چور ہو گیا، وزیر اعظم نے ملامت کی کہ ایسا قیمتی موتی توڑ ڈالا ایاز نے کہا کہ تم پاگل ہو تم نے بادشاہی حکم توڑا اور میں نے موتی توڑا۔ موتی کے توڑنے سے حاکم کا حکم توڑنا زیادہ برا ہے۔

پس مسلمانوں کی مثال ایاز کی سی ہے کہ باوجود اس کے کہ گائے بکری سے ان کو بے حد محبت ہے چنانچہ جس وقت یہ جانور ذبح کرتے ہیں ان پر بے حد اثر ہوتا ہے، جس کو مخالف اعتراض کرنے والے کیا جانیں، لیکن محبوب حقیقی کے سامنے اپنے اس جوش محبت کو روک لیا۔ اور شاہی حکم کو نہیں توڑا، حکم ہوا کہ ان کا گلا کاٹ ڈالو، بلا چوں چرا تسلیم کر لیا کہ بہت بہتر، اور دل اندر سے پگھلا جاتا ہے لیکن حکم کو خوشی خوشی بجالاتے ہیں۔

ہمارے استاد حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ نے ایک گائے کا بچہ قربانی کے

لئے پالا تھا اس کی بڑی خدمت کی جاتی تھی اور خود اس کو جنگل میں لے جا کر اس کے ساتھ دوڑتے تھے غرض اس سے بہت ہی محبت تھی اور بہت تندرست تھی، جس روز اس کو ذبح کیا ہے تو میں نے سنا تھا کہ مولانا کے آنسو جاری تھے اور گھر بھر کو رنج ہوا۔

دیکھو اگر مسلمانوں کے اندر رحم اور محبت نہیں تو یہ رونا اور آنسو بہانا کیوں تھا لیکن چونکہ اس سے زیادہ محبت حق تعالیٰ کے ساتھ ہے، اس لئے اس کے حکم کے سامنے سارے طبعی تقاضے ہیچ ہو جاتے ہیں۔[1]

قربانی کرنا عقل کے خلاف نہیں رحم کے خلاف کہہ سکتے ہو

طبیعت اور رحم کے خلاف حکم ماننا بہت بڑا مجاہدہ ہے

بعض معترضین کہتے ہیں کہ (قربانی کرنا اور جانور) ذبح کرنا عقل کے خلاف ہے۔ہم کہتے ہیں کہ اگر ذبح کرنا عقل کے خلاف ہے تو جانوروں کو مارنا پیٹنا بھی عقل کے خلاف ہے بلکہ یہ تو ساری عمر سسکا سسکا کر مارنا ہے، ذبح میں تو ایک ساتھ کام تمام کر دیا جاتا ہے، دم کے دم میں جان نکل جاتی ہے اس میں ذرا سی دیر تکلیف ہے جو ہوئی اور گزر گئی، اور سچ تو یہ ہے کہ نہ یہ (ذبح کرنا) عقل کے خلاف ہے اور نہ وہ (یعنی مارنا) ہم تو تحقیق کے تابع ہیں، ہم ان کی طرف سے بھی کہتے ہیں کہ جانورں کو مارنا عقل کے خلاف نہیں اور اپنی طرف سے بھی کہتے ہیں کہ ذبح عقل کے خلاف نہیں۔

خلاف عقل کی تعریف

اور حقیقت یہ ہے کہ خلاف عقل وہ ہوتا ہے جس میں کوئی محال لازم آئے وہ

[1] الضحایا ملحقہ سنت ابراہیم، ص ۱۵۳، ۱۵۴

خلاف عقل ہے، جیسے خدا کا دو ہونا، اجتماع ضدین کا واقع ہونا، دَور وتسلسل کا صادق آنا، تو ذبح کرنے میں یا مارنے کوٹنے میں کون سی بات عقل کے خلاف محال ہونے کی لازم آئی جو بات خلاف عقل ہوتی ہے وہ تو واقع ہی نہیں ہوئی۔

معترضین ایسے بے عقل ہیں کہ غیر ممتنع الوقوع (یعنی جن کا واقع ہونا محال ہے) اس کو عقل کے خلاف کہتے ہیں ،ذبح تو واقع ہوتا ہے (یعنی ذبح کرنے سے ذبح ہو جاتا ہے تو) وہ عقل کے خلاف کیسے ہوا، بلکہ ان کا یہ کہنا خود ان کی اصطلاح کے مطابق خلافِ عقل ہے، بات یہ ہے کہ یہ لوگ علوم عقلیہ پڑھتے نہیں جو چیز ترحم طبعی کے خلاف ہے، (یعنی طبعًا رحم کے خلاف ہے) اسے عقل کے خلاف کہتے ہیں (جانور ذبح کرنے) کو ترحم طبعی کے خلاف کہو تو البتہ ہم مانتے ہیں کہ واقعی ذبح رحم کے خلاف ہے۔لیکن اے صاحبو یہی تو بڑی عبدیت ہے کہ (قربانی کرنا) گو رحم کے خلاف ہے، لیکن طبیعت اور نفس کے خلاف اپنے مالک کے حکم کی بجا آوری کے لئے دل پر پتھر رکھ کر کرتے ہیں۔

جلاد کا بیٹا کسی جرم میں پکڑا گیا، ذرا غور کر کے دیکھئے اور بتلایئے کہ اگر بادشاہ نے جلاد کو حکم دیا کہ ایک درجن بید لگاؤ اس وقت باپ سے پوچھئے کہ دل کی کیا حالت ہوگی ،مگر اس کے ساتھ ہی یہ سوال ہے کہ سرکار کی خیر خواہی اور جاں نثاری کس میں ہے، آیا جانثاری یہ ہے کہ جلاد یہ کہہ دے کہ مجھ سے نہیں ہوسکتا، یہ آپ کی نوکری رکھی ہے یا یہ ہے کہ بادل نخواستہ سر سر بید لگا رہا ہے، دل اندر سے لوٹ پوٹ ہو رہا ہے لیکن حکم کی تعمیل کئے جا رہا ہے ایمان سے بتاؤ یہ ہے جانثاری اور خیر خواہی یا وہ؟ اگر حاکم کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اس کا بیٹا تھا اور اس سے محبت ہونے کے باوجود پھر بھی اس نے میرا حکم بلا چوں وچرا مانا تو اس کی نظر میں اس شخص کی کتنی قدر ہوگی۔

آج کل جنگ میں جان دینے بہت لوگ جا رہے ہیں انکی تعریف کی جاتی ہے کہ سرکار کے بڑے خیر خواہ ہیں، جاں نثار ہیں یہ کیوں؟ حالانکہ آپ کے بقول جان دینا

عقل کے خلاف ہے۔

معترض کہتے ہیں کہ مسلمان بڑے قصائی ہیں اس کے مختلف جواب دیئے جاتے ہیں لیکن اصل جواب یہ ہے کہ معترض کیا جانے کہ ہم پر کیا گزرتی ہے جب چھری پھیرتے ہیں ہم سے قسم لے لو جس وقت گائے کٹتی ہے ہمارا دل نکالا جاتا ہے لیکن دل پر پتھر رکھ کر یہ حکم معلوم کر کے قربانی کرتے ہیں، رحم تو ہے مگر حکم خداوندی کے آگے رحم پر عمل نہیں، بلکہ حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ یہ ہے پوری عبدیت (اور بندگی) اسی کی توفیق ہے کہ اتنے بڑے عمل پر قادر ہو گئے، اسی کو فرماتے ہیں "لِتُکَبِّرُو اللّٰہ عَلیٰ مَاھَدَاکُم" اللہ تعالیٰ کی اس بات پر بڑائی بیان کرو کہ اس نے قربانی کرنے کی توفیق دی۔[1]

قربانی اعلیٰ درجہ کا مجاہدہ ہے کیونکہ قربانی کرنے سے ہمارا دل دکھتا ہے

قربانی کو دیکھ کر بعض مخالف قوموں کا یہ کہنا ہے کہ مسلمان بے رحم ہیں۔ یہ ان کی سخت غلطی ہے اس لئے کہ رحم ایک وجدانی کیفیت ہے ہر ایک شخص کو اپنی کیفیت معلوم ہے ،دوسرے کی کیفیت ہرگز نہیں معلوم ہو سکتی، مسلمانوں کے رحم دل ہونے کی یہ کھلی ہوئی دلیل ہے کہ ہر مسلمان باوجودیکہ قربانی کرتے ہیں مگر پھر بھی ان کے دل میں اس قدر رحم ہے کہ وہ کسی جانور کی تکلیف کو نہیں دیکھ سکتے بلکہ واللہ مسلمان تو عین ذبح کرتے ہوئے بھی جانور پر رحم کرتے ہیں اور ذبح کی حالت میں دیکھ کر ان کا دل پگھل جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی نے ایک دفعہ ایک گائے کی قربانی کی تھی جس کی قیمت (اس زمانہ میں) اسی ۸۰/روپئے تک قصائی دیتے تھے مگر مولانا نے نہیں دی اور قربانی کر دی، لیکن حالت یہ سنی گئی تھی کہ مولانا روتے جاتے تھے اور قربانی

[1] روح الارواح سنت ابراہیم ص ۴۷۲

کرتے جاتے تھے، دیکھئے یہ کتنا بڑا مسلمانوں کا مجاہدہ ہے کہ دل پانی پانی ہوتا ہے اور پھر بھی قربانی کرتے ہیں، واللہ یہی نفس کی قربانی ہے کہ نفس کے خلاف کام ہو یہ مسلمان ہی کا دل ہے کہ نفس کی خواہشوں پر خاک ڈالتا ہے اور باوجودیکہ رحم سے پانی پانی ہوتا ہے پھر بھی قربانی کرتا ہے، واللہ یہ اعلیٰ درجہ کا مجاہدہ ہے۔[1]

سچے مسلمانوں کی شان

جانور تو جانور اس کی تو کچھ حقیقت ہی نہیں حق تعالیٰ کی محبت میں مسلمان اپنی اولاد کی جان کو بھی قربان کر دیتا ہے، ایک بوڑھی عورت کے دو بیٹے تھے لڑائی میں دونوں کو بھیج دیا اور خوش تھی کہ اللہ کی راہ میں جان دیں گے۔ ایک ان میں سے بچ کر آ گیا تو یہ کہا کہ میں تو خوش تھی کہ یہ بھی کام آ جاتا، جب مسلمان اپنی اولاد کے قربان کرنے پر آمادہ ہیں تو کیا اولاد پر بھی رحم نہیں؟ رحم تو سب سے زیادہ ہے لیکن حق تعالیٰ کے مقابلہ میں وہ کسی کو نہیں سمجھتے اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کرتے، بڑی خوشی سے جان دیتے ہیں، بہت سے مسلمانوں کو خاص کر طاعون میں دیکھا ہے کہ بہت خوشی خوشی دنیا سے رخصت ہوئے، بخلاف کافر کے ، دیکھا تو نہیں لیکن سنا ہے کہ کافر کو موت کے وقت بڑی وحشت ہوتی ہے۔ اور مسلمان ہنسی خوشی جاتے ہیں۔ اور کیوں نہ جائیں جبکہ ان کو اپنے مولیٰ سے اس قدر محبت ہے تو اپنے محبوب سے تو ہر شخص ملنا چاہتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ''مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰـہُ لِقَاَءہٗ'' یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو چاہے اللہ تعالیٰ اس سے ملنا چاہے گا، موت واللہ بڑی بھاری نعمت ہے۔ اور جو کچھ گھبراہٹ اور وحشت طبعی طور پر موت سے ہوتی ہے وہ عین وقت پر کچھ نہیں ہوتی، چنانچہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ جب حضور ﷺ نے یہ حدیث سنائی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے

---

[1] سنت ابراہیمؑ ص ٦٠

ہر ایک موت کو ناپسند کرتا ہے تو حضورﷺ نے جواب میں فرمایا، اے عائشہ یہ اُس وقت نہیں موت کے وقت ہے، یعنی موت کے وقت خوش ہو جاتا ہے، تسلی دی جاتی ہے، تو کیا اپنی جان سے مسلمانوں کو محبت نہیں؟ لیکن اس محبوب حقیقی سے ایسی محبت ہے کہ اس کے سامنے سب محبتیں ہیچ ہیں۔

ایسے ہی جانور سے بھی محبت ہے اور اندر سے دل کڑھتا ہے لیکن عقل اور دین کا تقاضا ایسا ہوتا ہے کہ اس پر وہ غالب آ جاتا ہے، دیکھو اگر نوکر کو ہم کسی بات کا حکم دیں اور وہ اس میں اپنی عقل کو دخل دے اور چوں چرا کرے تو کس قدر نا گوار ہوتا ہے، اور اس کو نافرمان اور عاصی قرار دیا جاتا ہے، حالانکہ نوکر کا تعلق بہت ہی ضعیف ہے۔ جب اس ضعیف تعلق پر یہ کیفیت ہے تو خدا تعالیٰ سے تو بندہ کا تعلق بہت بڑا ہے، اس نے جب حکم دیا تو اسکے حکم کے سامنے تو یہ حالت ہونا چاہئے کہ ؎

ہمچو اسماعیل پیشش سر بنہ شادو خنداں پیش تیغش جاں بدہ

اسمٰعیل کی طرح اس کے سامنے سر رکھ دے اور اس کی تلوار کے سامنے ہنستے ہوئے جان دے دے۔[1]

قربانی کے جانور کو ذبح کرنے میں اسے تکلیف نہیں ہوتی

جانوروں کو ذبح کرتے ہوئے اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنا غم کیا جاتا ہے یعنی طبعی موت سے زیادہ نہیں ہوتی بلکہ کم ہوتی ہے یہ تو حکم طبعی ہے اور ذوق سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اتنی کم ہوتی ہو کہ مثل نہ ہونے کے ہو کیونکہ عاشق کے لئے بڑی خوش نصیبی ہے کہ محبوب کے سامنے گردن جھکے اور اسکے نام پر قربان ہو جائے اور خدا تعالیٰ سے محبت ہر چیز کو ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ محبوبان خدا سے ہر شئی کو محبت ہوتی ہے ان مقدمات پر نظر کرتے

[1] الضحایا ملحقہ سنت ابرہیم، ص ۱۵۶، ۱۵۷



ہوئے یہ کہا جائے گا کہ صبح کے وقت قربانی کے جانور کا یہ حال ہوگا ۔

سر بوقت صبح کے اپنا اس کے زیر پایہ ہے
کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

جس وقت جانور کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نام پر ذبح ہوتا ہوں تو خوشی میں مست ہو جاتا ہے، یہی نکتہ ہے اس میں کہ بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے کہ اس سے جانور مست ہو جاتا ہے اور کچھ تکلیف نہیں ہوتی چنانچہ اس کی ایک نظیر بھی ہے کہ شہداء کو خدا کے نام پر سر کٹانے کی خاص خوشی ہوتی ہے اور ان کو کچھ تکلیف نہیں ہوتی، البتہ جانور اپنی مستی کو بے زباں ہونے کی وجہ سے ظاہر نہیں کر سکتا مگر شہداء کی مستی تو ظاہر بھی ہو جاتی ہے ۔لوگوں کے سامنے سینہ سپر ہونا اور بے تحاشاہ معرکہ (میدان جنگ) میں گھس جانا ہر شخص کو نظر آتا ہے، یہ تو شہادت کے مبادی ہیں جن میں مجاہدہ کی لذت ظاہر ہوتی ہے۔

باقی خود شہادت کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے کہ شہید کو قتل ہونے پر ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے کہ ایک چیونٹی نے کاٹا ہو، پس اسی طرح جانوروں کو بھی ذبح سے تکلیف نہیں ہوتی بلکہ چونکہ ان کی آرزو ہے کہ ہم اللہ کے نام پر قربان ہوں اس وجہ سے ان کی قربانی کر کے ان کو راحت پہنچائی جاتی ہے، پس وہ شخص جاہل ہے جو بے رحمی کے خیال کی وجہ سے قربانی چھوڑتا ہے۔[1]

قربانی کرنا اللہ کا حکم ہے اللہ سے زیادہ رحیم مت بنو

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ہر شئی میں اعتدال کا درجہ مطلوب ہوتا ہے، اعتدال کی حد میں جب تک کوئی شئی رہتی ہے ٹھیک اور درست رہتی ہے اور جہاں حد اعتدال سے نکلی فوراً خراب اور مضر ہو جاتی ہے، اسی قیاس پر سمجھنا چاہئے کہ رحم بھی اگر حد اعتدال میں

[1] سنت ابراہیم ؑ ص ۵۸



رہے تو ٹھیک اور درست ہوگا ورنہ مضر ہوگا، دیکھو اگر ہر جگہ رحم کیا جائے جیسا کہ ہنود (غیر مسلم ہندو) دعویٰ کرتے ہیں تو اعتدال نہ رہے گا۔ افراط (ظلم زیادتی) ہوگا، جیسے بعض لوگ سانپ بچھو کو بھی نہیں مار سکتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اشرف مخلوق یعنی انسان پر تو ظلم ہوگا اور دوسری اشیاء پر جوارذل مخلوق ہیں یعنی سانپ بچھو وغیرہ ان پر رحم ہوگا جو بالکل عقل ونقل کے خلاف ہے۔

قربانی کو (ظلم اور) بے رحمی کہنے کے معنی تو یہ ہیں کہ خدا تو رحیم نہیں اور حضرت انسان ایسے رحیم ہیں کہ اس نے قربانی کو بالکل خلاف رحم سمجھا تو گویا حضرت انسان صفت رحیمی میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ ٹھہرے، نعوذ باللہ من ذلک۔

اللہ تعالیٰ کے برابر جانوروں پر تو کیا دشمنوں پر بھی کوئی رحم نہیں کرسکتا، ان کی صفت رحیمی کو دیکھئے کہ ایک بار حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ چالیس برس تک مٹی کے برتن بناؤ چنانچہ حسب الحکم چالیس برس تک انہوں نے مٹی کے برتن بنائے پھر حکم ہوا کہ سب کو توڑ ڈالو انہوں نے حسب الحکم سب توڑ ڈالے، لیکن قلق (بہت رنج) ہوا کہ افسوس میں نے ان برتنوں کو بنا کر ایک بار دیکھا بھی نہیں۔ ارشاد ہوا اے نوح دیکھو اپنی بنائی ہوئی چیز کا تم کو کس قدر قلق ہوا، اب سوچو کہ ہم نے تمہارے کہنے سے اپنی بنائی ہوئی مخلوق کو اک دم غرق کردیا۔

غرض اللہ تعالیٰ نے جب جانور بنائے اور ان کے حقوق ثابت کئے اور ان پر رحم کرنے کی بھی تاکید فرمائی اور پھر بھی قربانی کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ قربانی خلاف رحم نہیں اگر قربانی خلاف رحم ہوتی تو اللہ تعالیٰ جو سب سے زیادہ رحیم ہے وہ کیوں اس کا حکم فرماتے مگر جب اللہ تعالیٰ نے قربانی کا حکم فرمایا تو اب اسکو بے رحمی کہنا گویا معاذ اللہ خدا کو بے رحم کہنا ہے۔

علاوہ ازیں سب سے آخری بات یہ ہے کہ ہم کو تو خدا اور رسول کے حکم کی اتباع کرنا

ہے اور کسی جرح وقدح (اوراعتراض) سے کیا مطلب باقی میں نے جومخالفین کے شبہات کا کچھ جواب دے دیا ہے یہ محض تبرع (احسان) ہے کیونکہ بعض ناواقف مسلمان ان سے متاثر ہوجاتے ہیں اور یہ ان کی اسلامی قوت کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے، ورنہ اگر جاہل مسلمان بھی پکا مسلمان ہوتو قیامت تک کسی فلسفی کے باپ سے بھی متاثر نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کو حضور ﷺ سے محبت ہوتی ہے اس کے پاس تمام اعتراضوں کا ایک جواب یہ ہوتا ہے کہ احمق ابھی تو حضور ﷺ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے کہ اپنے جانور ذبح کرو، بخدا اگر حضور ﷺ ہمیں یہ حکم دیتے کہ اپنی اولاد اور بیبیوں کو ذبح کردو تو ہم اس سے بھی دریغ نہ ہوتا۔[1]

احکام خداوندی میں چوں چراں کے پیچھے مت پڑو

اس موقع پر ایک حکایت یاد آئی مجھ سے ایک صاحب نے پوچھا کہ طاعون سے بھاگنا کیوں ناجائز ہے؟ حالانکہ وہاں رہنا عقل کے خلاف ہے، میں نے کہا کہ لڑائی سے بھاگنا کیوں جرم ہے؟ حالانکہ وہاں طاعون سے بھی زیادہ ہلاکت کا خوف ہے یہاں تو موت میں رہنا خلاف عقل اور وہاں عقل کے خلاف نہیں وہ سمجھ گئے میں نے کہا کہ بادشاہ تیس روپے تنخواہ دے کر جان کا مالک ہوجائے اور حق تعالیٰ جان کو پیدا کر کے بھی جان کا مالک نہ ہو اور اس میں تصرف اور اپنے قانون کو نافذ نہ کرسکے؟ وہ صاحب یہ جواب سن کر کھل گئے ۔یہ شاندار مولویوں کے جواب نہیں ہیں خاکسار غریبوں کے جواب ہیں، سچی بات سیدھی سادی قناعت (اوراطمینان) دلانے والی ہوتی ہے، پس (احکام خداوندی) میں حکمتوں کی تفتیش کے درپے مت ہو صرف یہ دیکھو کہ آیا یہ خدا کا حکم ہے یا نہیں ،بس یہ معلوم کرلیا اوراطمینان ہوگیا چنانچہ جس طرح جلاد کو حکم ہے کہ بید مارو ہمے یہ حکم ہے کہ قربانی

[1] سنت ابرہیمؑ ص ۶۱

کرو، اسی طرح تمام احکام میں اس بات کے ثابت ہوجانے کے بعد کہ یہ خدا کا حکم ہے،



پھر حکمتیں مت پوچھواور نہ بتلاؤ، کہ اس کا انجام خطرناک ہے، کیونکہ سور کے حرام ہونے کی اگر یہ حکمت بیان کی کہ وہ بے حیا ہوتا ہے اوراس کے بعدایک شخص نے اس کا حیادار ہونا ثابت کردیا جیسا کہ ایک شخص نے اس کا دعویٰ کیا ہے پس اگر کسی فلسفی مسلمان کا عقیدہ یہی ہو کہ سوراس لئے حرام ہوتا ہے کہ وہ بے حیا ہوتا ہے تو جب اس کے نزدیک وہ حیادار ثابت ہوجائے گا اسی روز پھر وہی شبہ موجود، یہ بڑا خطرناک طرز ہے خدا کے لئے اس طرز کو چھوڑ واور غیر منصوص حکمتیں جتنی بیان کی جاتی ہیں وہ اکثر اٹکل (محض خیالی) ہوتی ہیں۔ اگر ہم نے شریعت کوانہیں پرمبنی سمجھ لیا تو اگر کبھی پچاس برس کے بعدایسے عقلاء پیدا ہوئے جنہوں نے ان کی نفی کردی تو جب بناء منہدم ہوگئی مبنیٰ بھی منہدم ہوجائے گا۔ ہم ایسی حکمتیں نکال کر شریعت کی بنیاد ریت پر کھڑی کررہے ہیں جہاں ایک سیلاب آیا سب رخصت ،بس یوں کہو کہ سور حرام ہے اس لئے کہ خدا کا حکم ہے، قیامت آجائے تو بھی اس کوکوئی نہیں توڑ سکتا ہے، جس طرح کوئی سرکاری آدمی سے پوچھے کہ موروثی (زمین) کا کیا حکم ہے، یا یہ پوچھے کہ تولہ بھر تک ٹکٹ لگالینے سے بیرنگ نہیں ہوتا، دوتولہ کا بیرنگ ہوجاتا ہے، (اس کی کیا وجہ ہے) اس پر یہی کہے گا کہ واضعانِ قانون، (یعنی قانون بنانے والے) جانیں ضابطہ یوں نہیں ہے۔

اے مسلمانو! سیدھا یہی جواب ہے کہ ہم واضع قانون نہیں ہم سے کیوں پوچھتے ہو یہ خدا سے پوچھئے۔[1]

[1] روح الارواح، ص ۴۷،۴۸ ملحقہ سنت ابراہیم

عقل اور تجربہ کا فرق

اہل باطل کے اعتراضات نا قابل اعتبار ہیں

اہل باطل معترضین کے اعتراضات خود (قربانی کی) حقانیت کی دلیل ہیں۔ کیونکہ بے وقوف جس بات پر اعتراض کریں وہ عین حق ہوتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ معترضین بے وقوف تو نہیں بلکہ (پڑھے لکھے) فلاسفر اور مہذب قوم، اور لیڈر سمجھے جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اس سے زیادہ بے وقوفی نہیں کہ اپنے مالک کو بندہ بھول جائے، جس کو اتنی فکر نہ ہو کہ میرا مالک کس بات سے خوش ہوگا اور کون سی بات سے ناخوش، وہ خواہ عقل میں ارسطا طالیس ہو لیکن وہ بے وقوف ہی ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ کسی فن میں اس کو تجربہ ہو جائے اس کو عقل نہ کہیں گے مثلاً کپڑا بننا آ گیا یا یہ کہ زخموں کے کاٹ تراش (آپریشن کرنے) میں کمال پیدا کر لیا اس سے عقلمند نہیں ہو سکتا، عقل اور شئی ہے تجربہ دوسری شئی، صنعتوں میں کمال پیدا کر لینے والے کو تجربہ کار کہیں گے مگر عاقل ہونا اس کا ضروری نہیں، خدا تعالیٰ سے جو شخص جس قدر دور ہے اسی قدر اس کی عقل بھی منسوخ ہے، پس ایسا شخص جس شئی کو زیادہ برا سمجھے گا وہی شئی زیادہ اچھی ہوگی، آج کل بڑا عاقل وہ سمجھا جاتا ہے جو بڑا لسّان (یعنی بہت بولنے والا) ہو اور ہر دعویٰ پر اپنے گمان کے مطابق عقلی دلیل رکھتا ہو گو وہ دلیل بالکل لچر (کمزور) اور غیر مقبول ہو۔[1]

بے عقلوں کی عقلی دلیل

اس پر مجھ کو دو حکایتیں یاد آئیں ایک شخص تھا وہ پاگل پن میں پاخانہ کھایا کرتا تھا

[1] الضحایا ملحقہ سنت ابراہیم، ص ۱۴۶

اگراس سے کوئی کچھ کہتا تو جواب دیتا تھا کہ اسمیں کیا برائی ہے یہ میرے ہی اندر سے تو نکلا ہے اگر پھر میرے ہی اندر چلا جائے تو کیا حرج ہے، تو دیکھو عقلی دلیل یہ بھی تو ہے مگر مردود ہے۔

ایک اور شخص تھا وہ پاگل پن میں اپنی ماں سے برا کام کرتا تھا اور یہ کہا کرتا تھا کہ میں جبکہ سب کا سب (یعنی میرا پورا جسم) اس میں تھا تو اگر میرا جزء (میرے بدن کا ایک حصہ) اس کے اندر چلا جائے تو کیا حرج ہے۔ پس ایسے ہی دلائل آج کل عقل پرستوں اور تہذیب یافتہ قوم کے ہیں۔

میں بقسم کہتا ہوں کہ اہل باطل کے پاس کسی مدعا پر کوئی صحیح دلیل نہیں، اہل باطل کبھی عاقل ہو ہی نہیں سکتے، میں اکثر یہی کہا کرتا ہوں کہ وہ جس بات کو ناپسند کریں گے وہ پسندیدہ ہوگی اور جس کو پسند کریں گے وہ ناپسند ہوگی۔[1]

اگر قربانی کی حکمتیں اور مصلحتیں سمجھ میں نہ آئیں

اگر قربانی کی حکمتیں کسی طرح سمجھ میں نہ آئیں تو اس طرح سمجھ لو کہ بعض دواؤں میں خصوصی تاثیر ہوتی ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ نصوص سے ثابت ہو گیا ہے کہ اعمال صالحہ میں بھی تاثیر ہوتی ہے، ہم کو حضور ﷺ کے فرمانے سے معلوم ہوا ہے کہ قربانی ہمارے لئے نافع ہے، اس میں یہ تاثیر اور خصوصیت پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ اور علت ہم کو نہیں معلوم۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طبیب اگر کہہ دے کہ فلاں دوا میں یہ خاصہ ہے تو اس کے کہنے پر تو ایسا یقین رکھتا ہے کہ اس میں شبہ ہی نہیں ہوتا، اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ اگر کسی فعل کا خاصہ بیان فرمادیں تو اس میں تجھ کو شبہ ہوتا ہے۔[2]

[1] الضحایا، ص ۱۴۶ [2] ترغیب الاضحیۃ ملحقہ سنت ابراہیم، ص ۱۲۹

قربانی کرنا احکم الحاکمین رب العالمین کا قانون ہے جس کا ماننا ضروری ہے عقل میں آئے یا نہ آئے

اسلام کے اصول (یعنی توحید ورسالت وغیرہ) عقلی ہیں۔ باقی فروع کا عقلی ہونا ضروری نہیں، اس کی مثال ایسی ہے کہ جارج بادشاہ کا بادشاہ ہونا عقلی طور پر ثابت کیا جائے گا، باغی شخص کو مباحثہ سے سمجھایا جائیگا۔ پھر جب اس کو صاحب سلطنت مان لیا پھر ہر حکم میں حکمتیں تلاش کرنا بغاوت کا شعبہ ہے، اگر کسی کو چوری میں سزا دی گئی اور اس نے کہنا شروع کیا کہ فوج داری کی دفعہ سرقہ (یعنی چوری کی سزا) میری سمجھ میں نہیں آئی، آیا دس روپے کی چوری بھی کوئی جرم ہے؟ تو کیا جج اس کو علت سمجھ کر سزا دے گا؟ یا یوں کہہ دے گا کہ بادشاہ وقت کا یہی قانون ہے اگر ضد کرے گا تو ڈانٹ دے گا کہ بکواس مت کرو اور۔۔۔ توہین عدالت کی بھی سزا بڑھا دے گا اور کہہ دے گا کہ ہم جڑ کی بات سمجھا چکے کہ بادشاہ وقت کا یہی قانون ہے۔ اسی طرح توحید ورسالت عقلی طور پر سمجھ لو پھر ''قَالَ اللہُ وَقَالَ الرَّسُولُ'' کافی ہے، نصرانی، آریہ، یہودی، (ہندو) جو کوئی پوچھے یہی جواب ہے کہ خدا کا حکم ہے، قرآن میں ہے، قرآن کا اللہ تعالیٰ کا کلام ہونا دلیل عقلی سے ثابت کردیں گے بس سنار کی کھٹ کھٹ اور لوہار کی ایک میں ساری شریعت کی حفاظت کا سامان بتلا رہا ہوں ورنہ اگر حکمتیں بتلانے پر آئے تو آخر کہیں تو عاجز ہو گے مثلاً پوچھا گیا کہ نماز کیوں فرض ہوئی؟ کہا کہ عبدیت کا اظہار ہے، پانچ وقت کیوں مقرر ہوئے؟ تاکہ پابندی میں سہولت ہو یہاں تک چلتا رہا۔ رکعتیں کیوں مختلف تعداد میں مقرر کی گئیں، ظہر میں چار فجر میں دو مغرب اور وتر میں تین کیوں مقرر ہوئیں؟ پس یہاں آکر تھک گئے جو یہاں آکر کھو گے وہ پہلے ہی کیوں نہ کہہ دو جس راہ پر دو کوس چل کر بالآخر آنا ہے اسے ابھی سے کیوں نہ اختیار کرو، خواہ مخواہ اتنا تعب کیوں اپنے سر لیا۔[1]

[1] روح الارواح، ص ۴۷۵

مذہب اسلام کے آسمان سے نازل ہونے کی ایک عقلی دلیل

میرے مذہب سے ایک آریہ نے کہا کہ ہمارے مذہب میں یہ خوبی ہے کہ اس کی ہر تعلیم عقل کے موافق ہے اور تمہارے یہاں یہ بات نہیں اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا مذہب صحیح ہے۔ بھائی نے کہا یہی دلیل ہے اس بات کی کہ ہمارا مذہب سماوی ہے (یعنی آسمان سے اترا ہے) اور تمہارا ارضی۔ دیکھو بہت سی باتیں اپنے خانگی انتظام کے متعلق ایسی ہوتی ہیں کہ ہم تم تو سمجھتے ہیں مگر ہمارے نوکر نہیں سمجھتے، اس واسطے کہ ہماری عقل انکی عقل سے بالاتر ہے، اسی طرح خدائی احکام کی یہی علامت ہے کہ کہیں ہماری سمجھ میں آئے اور کہیں نہ سمجھ میں آئے، اور جب تمہاری سب مذہبی تعلیمات عقل کے موافق ہیں تو معلوم ہوا کہ تمہیں جیسوں نے اس کو اپنی عقل وذہانت سے گڑھ لیا ہے، آسمانی نہیں ہے، واقعی خوب (عقلی) لطیفہ ہے۔[1]

قربانی کرنا حضرت آدمؑ کے زمانہ سے تمام امتوں میں جاری رہا

سوال ۶۳۳: گائے بھینس وغیرہ کا ذبح کرنا کب سے جاری ہوا ہے، اس معاملہ میں آیت قرآن مجید وحدیث شریف جو ہو مطلع فرمادیں۔

الجواب : جب سے حضرت آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے جب ہی سے ان جانوروں کا ذبح کرنا بحکم الٰہی جاری ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں ہابیل وقابیل کا قصہ قرآن شریف میں مذکور ہے کہ ہابیل نے قربانی کی تھی اور اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوئی، ان کی قربانی کا وہ جانور یا اونٹ تھا یا مینڈھا علی اختلاف روایات التفسیر **قال اللہ تعالیٰ "إذ قَرَّ بَا قُربَاناً فَتُقُبِّلَ مِنَ اَحدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّل مِنَ الآخرِ"** اور جب سے اب تک سب امتوں میں ان جانوروں کا ذبح کرنا جاری ومشروع رہا، **"قال اللّٰہ تعالیٰ لبنی إسرائيل "إنَّ اللّٰهَ يَأمُرُكُم أَن تَذبَحُو بَقَرَةً"**۔[2]

[1] روح الارواح، ص ۲۹۶، ملحقہ سنت ابراہیم [2] امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۵۶۴

باب ٦

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگوں کے نام قربانی کرانا

حضرت ابوطلحہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دنبہ کی اپنی طرف سے قربانی فرمائی اور دوسرے دنبہ کے بارے میں فرمایا کہ یہ قربانی اسکی طرف سے ہے جو میری امت میں سے مجھ پر ایمان لایا، اور جس نے میری تصدیق کی۔ (موصلی وکبیر، واسط)

فائدہ:- حضور ﷺ کا مطلب اپنی امت کو ثواب میں شامل کرنا تھا یہ مطلب نہیں کہ یہ قربانی سب کی طرف سے اس طرح ہوگئی کہ اب کسی کے ذمہ قربانی واجب نہیں ہے۔

فائدہ:- غور کرنے کی بات ہے کہ جب حضور ﷺ نے قربانی میں امت کو یاد رکھا تو افسوس ہے کہ امتی حضور ﷺ کو یاد نہ رکھیں، اور ایک حصہ بھی آپ کی طرف سے نہ کیا کریں۔

حنش سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ دو دنبے قربانی کئے اور فرمایا ان میں ایک میری طرف سے ہے اور دوسرا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے، میں نے ان سے ان کے متعلق گفتگو کی انہوں نے فرمایا کہ حضور نے مجھ کو اس کا حکم دیا ہے، میں اس کو کبھی نہ چھوڑوں گا۔[1]

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بھی قربانی کیا کرو تو اچھا ہے اس سے محبت بڑھتی ہے۔[2]

مردوں کی طرف سے قربانی

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ میت کی طرف سے قربانی کریں یا نہیں اور اگر کریں تو کیوں اور کیسے؟ تو سنو! قربانی مردوں کی طرف سے بھی جائز ہے، ماں باپ پیر، استاد، حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے بھی کر سکتے ہیں (اور کرنا چاہئے) مگر ایک حصہ کئی مردوں

[1] ابوداؤد، ترمذی، حیوۃ المسلمین ص ۱۲۸ [2] تعلیم الدین ص ۲۵۸

کی طرف سے درست نہیں۔
اور شاید کسی کو اس حدیث سے شبہ ہو کہ محمد ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ قربانی میں ساری امت کو یاد فرماتے تھے۔

کسی کی طرف سے قربانی کرنے اور قربانی کا ثواب پہنچانے کا فرق

اس حدیث سے کوئی یہ نہ سمجھ جائے کہ آپ ﷺ نے ایک حصہ میں ساری امت کو شریک کیا لہٰذا ہمارے لئے بھی جائز ہے کہ ایک حصہ میں کئی آدمی شریک ہو جایا کریں۔
تو سنو! کچھ خبر بھی ہے کہ وہ کس کا حصہ تھا؟ وہ ایک حصہ لاکھوں کے برابر تھا، یہ تو عاشقانہ جواب ہے مگر اصل یہ ہے کہ آپ نے قربانی سب کی طرف سے نہیں کی تھی بلکہ اپنی طرف سے کر کے اس کا ثواب ساری امت کو بخش دیا، جیسے تم نفل قربانی صرف اپنی طرف سے کرو اور پھر اس کا ثواب کئی آدمیوں کو بخش دو یہ جائز ہے، باقی یہ شبہ نہ کیا جائے کہ آپ نے امت کو ثواب بخشا تو (پوری) امت اس وقت موجود کہاں تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کا یہ خیال کہ ثواب مردوں ہی کو پہنچتا ہے غلط ہے بلکہ زندوں اور آئندہ آنے والوں سب کو پہنچتا ہے۔[1]

میت کی طرف سے کی ہوئی قربانی کے گوشت کا حکم

اب یہ بات رہ گئی کہ جب مردوں کی طرف سے قربانی جائز ہے تو اسکے گوشت کو کیا جائے؟ اس میں تفصیل ہے۔ اگر مردہ یہ وصیت کر کے مرا ہے کہ میرے مال میں سے قربانی کر دینا مثلاً ذی قعدہ میں کوئی مرا، اور اس نے یہ وصیت کی تو اس کے قربانی کے

[1] تعظیم الشعائر، سنت ابراہیم، ص ۲۲۶

گوشت کو خیرات (صدقہ) کرنا واجب ہے، اور اگر اس کے مال سے نہیں کی خواہ وصیت کی ہو یا نہ کی ہو تو اس کے گوشت کا وہی حکم ہے جو اپنے مال سے قربانی کرنے کا حکم ہے۔[1]

مسئلہ : میت کی طرف سے قربانی دو طور پر ہے ایک یہ کہ میت اپنے ترکہ میں سے قربانی کی وصیت کر کے مرا اس قربانی کا تمام گوشت مسکینوں کو دینا واجب ہے، دوسرے یہ کہ کوئی شخص اپنے مال سے تبرعاً میت کی طرف سے قربانی کرے اس میں قربانی کرنے والے کو اختیار ہے جتنا چاہے کھائے، جتنا چاہے دے، خواہ سب خود کھالے۔[2]

اپنے بڑوں اور بزرگوں کی طرف سے بھی قربانی کرنا چاہئے

بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ وسعت (مالداری اور خوشحالی) کے باوجود ایک ہی جانور کی قربانی کرتے ہیں، اگر کسی کو وسعت (گنجائش) کافی ہو تو اس کو چاہئے گو واجب نہیں مگر آخر حقوق بھی کوئی چیز ہیں، اس بنا پر مناسب ہے کہ اپنے بزرگوں کی طرف سے بھی قربانی کرے۔

اور ایک قربانی حضور ﷺ کی طرف سے کرے، آپ کو امت کے ساتھ کیسی محبت تھی کہ آپ اپنی طرف سے تو قربانی کرتے ہی تھے ایک قربانی زیادہ کرتے تھے اور فرماتے کہ یہ ان لوگوں کی طرف سے کہ جو میری امت میں سے قربانی کی وسعت نہیں رکھتے اور ایک روایت میں ہے کہ **عَنْ مُحَمَّدٍ وَاُمَّتِہٖ** اور ایک روایت میں ہے **هٰذَا مَنْ آمَنَ بِي وَصَدَّقَنِي**[3]

دیکھئے حضور ﷺ کو ہمارے ساتھ کیسی محبت تھی حالانکہ ہم اس وقت موجود بھی نہ تھے مگر آپ کو ساری امت سے غائبانہ محبت تھی۔[4]

---

[1] تعظیم الشعائر، ص ۲۲۹ [2] امداد الفتاوی ص ۵۳۳ ج ۳ [3] جمع الفوائد [4] سنت ابراہیم، ص ۶۳

قربانی کے نفل حصے بھی رشتہ داروں وغیرہ کی طرف سے کرنا چاہئے

بہتر یہ ہے کہ قربانی کے کچھ حصے نفل کے طور پر بھی کیا کرو، کانپور میں ہمارے مکرم خاں صاحب عبدالرحمٰن خاں صاحب کے یہاں ساٹھ ساٹھ ستر ستر جانور ذبح ہوتے تھے اوروہ تمام بزرگوں ورشتہ داروں کے نام حصے کرتے تھے کہ یہ باپ کا ہے یہ دادا کا ہے، اور جناب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بھی کرتے تھے حالانکہ ان کی حالت یہ تھی کہ ان کے یہاں کبھی کبھی کھانے کا ناغہ بھی ہوجاتا تھا محبت بھی عجیب شئی ہے کہ وہ سب کچھ کرادیتی ہے، جولوگ قربانی کے اندر حیلہ کرتے ہیں (یا جانور خریدنے میں بڑی کفایت اور بخل کرتے ہیں) اگر ان کو آج بیٹے کی شادی پیش آجائے تو ابھی سیکڑوں روپئے اگل دیں گے۔[1]

سب سے زیادہ اس کے مستحق تو حضور ﷺ ہیں کیونکہ آپ کے احسانات بے شمار ہیں۔ پھر غضب ہے کہ حضور ﷺ کو بھول جائیں۔ اور آپ کی طرف سے قربانی نہ کریں۔ خصوصاً جبکہ حضور ﷺ نے ہمیں کسی موقع پر فراموش نہیں فرمایا یہاں تک کہ قربانی میں بھی یاد فرمایا تو اگر سال بھر میں چند روپئے آپ کی طرف سے قربانی کرنے میں صرف ہوگئے تو کون سی دشوار بات ہے۔[2]

ایک قربانی میں چند اموات کو شریک کرنا

سوال: اگر فوت شدہ عزیزوں یا اہل بیت یا خاص رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قربانی کی جائے تو اس کا کیا طریقہ ہے، آیا مثل دیگر شرکاء ہر ایک شخص کی طرف سے ایک ایک حصہ ہونا چاہئے یا ایک حصہ ہی میں چند کو شریک کردے۔

الجواب: ایک ہی میں سب کو ثواب بخش سکتے ہیں۔

میں نے گذشتہ سال زبانی فتویٰ دیا تھا کہ جس طرح اپنی طرف سے قربانی کرنے

[1] الضحایا۔ ملحقہ سنت ابراہیمؑ ص ۱۴۵ [2] تعظیم الشعائر ملحقہ سنت ابراہیمؑ ص ۲۳۸

میں ایک حصہ دو شخص کی طرف سے جائز نہیں، اسی طرح غیر کی طرف سے تبرّ عاً نفل قربانی کرنے میں خواہ زندہ کی طرف سے یا میت کی طرف سے ایک حصہ دو شخص کی طرف سے جائز نہیں۔ مگر روایات سے اس کے خلاف ثابت ہوا اس لئے میں اس سے رجوع کر کے اب فتویٰ دیتا ہوں کہ جو قربانی دوسرے کی طرف سے تبرعاً کی جائے، تبرّ ع کی قید سے وہ صورت نکل گئی کہ میت نے اپنے مال سے قربانی کرنے کی وصیت کی ہو اس صورت میں ایک حصہ ایک ہی کی طرف سے جائز ہے (اور تبرّ عاً یعنی بغیر وصیت کے از خود اپنی طرف سے زندہ یا میت کو ثواب پہچانے کے لئے جو قربانی کی جاتی ہے) چونکہ وہ ملک ذابح (قربانی کرنے والے کی ملک) ہوتی ہے اور صرف اس سے دوسرے کو ثواب پہنچتا ہے اس لئے ایک حصہ کئی کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ مسلم میں ہے کہ اپنی طرف سے ایک حصہ قربانی کر کے متعدد کو ثواب پہچانا جائز ہے بس یہ بھی ویسا ہی ہے۔ **والروایات هذه .... الخ** اور اسی وقوع الذبح عن الذابح وحصول الثواب للغیر (یعنی ذبح تو قربانی کرنے والے کی طرف سے ہوگا صرف ثواب غیر کو ملے گا اس مسئلہ) کی فرع یہ ہے کہ اس **تضحیة نافلة عن الحی تبرعاً** (یعنی کسی زندہ کی طرف سے نفل قربانی کرنے) میں اس زندہ کی اجازت کی ضرورت نہیں، میں اس میں بھی ضرورت بتلاتا تھا، اس سے بھی رجوع کرتا ہوں بخلاف زکوٰۃ، وصدقات واجبہ وتضحیۃ واجبہ (یعنی واجب قربانی) کے کہ اس میں اذن غیر کا شرط ہے۔[1]

[1] امداد الفتاویٰ ص ۵۷۴ ج ۳

باب

گائے کی قربانی ترک کرنے کا شرعی حکم

گائے کی قربانی کا روکنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بعض بھولے لوگوں کو اس میں لغزش ہوگئی وہ کہتے ہیں کہ قربانی واجب ہے خواہ بکری کی ہو یا گائے کی، پھر کیا ضرورت کہ (گائے کی قربانی کر کے باہم اختلاف کیا جائے) لہذا گائے کی قربانی چھوڑ دینا چاہئے، بکری کی کرلیا کریں، بظاہر تو یہ رائے بہت مناسب ہے، لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ بالکل لچر اور کمزور بات ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ گائے کی قربانی ترک کرنا دوسری قوم کے نزدیک مذہبی امر کی وجہ سے ہے یا ملکی مصلحت کی وجہ سے؟ تو واقع میں ان کے یہاں (یعنی گائے کی قربانی نہ کرنا) مذہب کا جزء ہے۔ پس اس وقت ہمارا ترک کرنا کفر کی رعایت کرنا ہے اس لئے ہرگز جائز نہیں ہے۔[1]

شرعی دلیل

حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ جو پہلے علماء یہود تھے اور اس (یہودی) مذہب میں ہفتہ (سنیچر) کا روز معظم تھا اور اونٹ کا گوشت حرام تھا، ان صاحبوں کو اسلام لانے کے بعد خیال ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ہفتہ کی تعظیم واجب تھی اور شریعت محمدیہ میں اس کی بے تعظیمی (وبے ادبی) واجب نہیں۔ اسی طرح شریعت موسویہ میں اونٹ کا گوشت کھانا حرام تھا، اور شریعت محمدیہ میں اس کا کھانا فرض نہیں، سو اگر ہم بدستور ہفتہ کی تعظیم کرتے رہیں اور اونٹ کا گوشت حلال عقیدہ رکھنے کے باوجود صرف عملاً ترک کردیں تو شریعت موسویہ کی بھی رعایت ہوجائے، اور شریعت محمدیہ کے بھی خلاف نہ ہو، اور اس میں

[1] الضحایا، سنت ابراہیمؑ ص ۱۶۰

خداتعالیٰ کی زیادہ اطاعت اور دین کی زیادہ رعایت معلوم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس خیال کی اصلاح اس آیت میں اہتمام سے فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کامل فرض ہے اوراس کا کامل ہونا اس وقت ہوگا کہ جوامر اسلام میں قابل رعایت نہ ہو اسکی رعایت دین ہونے کی نیت سے نہ کی جائے اور ایسے امر کو دین سمجھنا یہ ایک شیطانی لغزش ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً وَّلاَ تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتُ الشَّیْطَانِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَ تْکُمُ الْبَیِّنَۃُ فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ (بقرہ رکوع ۹)

(ترجمہ تفسیر) اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو، یہ نہیں کہ کچھ کچھ یہودیت کی بھی رعایت کرو، اور ایسے خیالات میں پڑ کر شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو، واقعی وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے کہ ایسی پٹی پڑھا دیتا ہے کہ ظاہر میں تو سراسر دین معلوم ہو اور حقیقت میں بالکل دین کے خلاف، پھر اگر تم بعد اس کے کہ تم کو واضح دلیلیں احکام، وشرائع اسلام کی پہنچ چکی ہیں پھر بھی صراط مستقیم (سیدھی راہ) سے لغزش کرنے لگو تو یقین کر رکھو کہ حق تعالیٰ بڑے زبردست ہیں سخت سزادیں گے، گو چندے (کچھ دن تک) سزا نہ دیں تو اس سے دھوکہ مت کھانا کیونکہ وہ حکمت والے بھی ہیں۔ کسی حکمت ومصلحت سے کبھی سزا میں دیر بھی کر دیتے ہیں۔[1]

ہندومسلم میں فساد کی بنیاد گائے کی قربانی نہیں ہے

مجھ کو اپنے بعض بھائیوں سے شکایت ہے کہ بعض لوگ رائے دیتے ہیں کہ اگر قربانی چھوڑ دی جائے تو ہم وطنوں میں آپس میں اتحاد ہو جائے گا۔ بیشک اتحاد بہت اچھی شئی ہے، مگر کلام اس میں ہے کہ گاؤکشی چھوڑنے سے اتفاق ہوگا، یہ دیکھنا چاہئے کہ

[1] (بیان القرآن جلد ۱ ص ۱۱۸)

(ہندو مسلم میں) باہمی فساد کی بنیاد کیا ہے؟ اس کا انسداد کرنا چاہئے۔ فساد کی بنیاد گائے کی قربانی نہیں، یہ تو ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہے، اگر جھگڑے کی بنیاد یہی (گائے کی قربانی) ہوتی تو ہمیشہ سے نااتفاقی ہوتی، حالانکہ پہلے ہندو اور مسلمان باہم شیر وشکر (اتحاد واتفاق سے رہتے) تھے چنانچہ پرانے خیال کے ہندو جواب بھی دیکھے جاتے ہیں ان میں جو بات ہے وہ نئے خیال والوں میں نہیں، تو غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب سے تاریخ کی تعلیم ہوئی ہے۔ اس وقت سے یہ نااتفاقی کا زہر پھیلا ہے، اس لئے کہ اس سے پرانے خیالات اور پرانی عداوتیں تازہ ہوئیں، ان کی طبیعتوں میں جوش پیدا کر دیا اور گاؤکشی تو ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ پہلے ہندوؤں اور مسلمانوں میں اس قدر اتفاق تھا کہ شادی غمی کے موقع پر آپس میں لین دین تک ہوتا تھا، اور ہر ایک، ایک دوسرے کے کام آتا تھا، بظاہر کچھ بھی جھگڑا نہ تھا، باقی مذہبی اختلاف کے ہوتے ہوئے جو اصلی (قلبی) اتفاق ہے وہ تو ہو ہی نہیں سکتا، لیکن ظاہری اتفاق تو تھا اب وہ ظاہری اتفاق بھی نہیں رہا، اسکی کیا وجہ ہے؟ واللہ اس کا راز بس یہی ہے کہ تاریخ پڑھی جاتی ہے، یہ تاریخ ایسا غضب کا جادو ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جو باہم ایک دوسرے پر جان دیتے تھے ایک بار کفار نے دیکھ کر حسد کیا اور چاہا کہ ان میں لڑائی کرا دیں۔ انصار میں دو قبیلے تھے، اوس اور خزرج، ان میں زمانہ جاہلیت میں باہم چھیڑ چھاڑ رہتی تھی، چنانچہ یہود نے وہ اشعار پڑھ دیئے جو آپس میں انہوں نے ایک دوسرے کے مقابلہ میں پچھلے زمانہ میں کہے تھے، بس اشعار کا پڑھنا تھا کہ جوش آیا اور آپس میں وہ دو چار باتیں تیز تیز ہو کر تلواریں نکل آئیں، اور دونوں طرف صفیں آراستہ ہو گئیں، اور قریب تھا کہ جنگ شروع ہو جائے، لیکن حضور ﷺ تشریف لے آئے اور آپ نے سب کو ٹھنڈا کیا۔ تاریخ وہ جادو ہے کہ ذرا سی دیر میں کچھ سے کچھ کر ڈالے اور جب سے آریئے پیدا ہوئے ہیں اس وقت سے اور بھی زیادہ انہوں نے عداوت کی آگ بھڑکا دی ہے۔[1]

---

[1] الضحایا، ص ۱۵۹ سنت ابراہیم

قربانی اور گوشت خوری پر پابندی اور مسلمانوں کے لئے شرعی ہدایت

بعض ظالم لوگ قربانی پر اور خاص کر گائے کی قربانی پر مسلمانوں سے لڑائی کرتے ہیں اور کبھی عین قربانی کے وقت مسلمانوں پر چڑھ آتے ہیں اور قربانی جو کہ ان کا حق جائز بلکہ واجب ہے اس کے چھوڑنے پر مجبور کرتے ہیں جو سراسر ان کی زیادتی ہے۔

اور چوں کہ حدیثوں میں خاص گائے کا حلال ہونا اور اس کی قربانی کی فضیلت اور خود پیغمبر ﷺ کا گائے کی قربانی فرمانا مذکور ہے۔[1]

اس لئے مسلمان اس مذہبی دست درازی کو گوارہ نہیں کرتے، اور اپنی جان تک دے دیتے ہیں جس میں وہ بالکل بے قصور ہیں۔ سو اس کے متعلق مسئلہ سمجھ لینا چاہئے کہ جس طرح ایسی مضبوطی کرنا (ہمت دکھلانا) جائز ہے، اگر کہیں ایسی مضبوطی کرنا (جوان مردی دکھلانا) خلاف مصلحت ہو تو شریعت سے دوسری بات بھی جائز ہے، وہ یہ کہ اس وقت صبر کریں اور قربانی نہ کریں فوراً حکام کو اطلاع کر کے ان سے مدد لیں۔ اگر قربانی کی مدت میں یعنی بارہ تاریخ تک اس کا کافی انتظام کر دیا جائے تو قربانی کر لیں، اور اگر اس کے بعد انتظام ہو تو اگلے سال قربانی کریں اور اس سال قربانی کے حصہ کی قیمت محتاجوں کو دے دیں۔

اور اگر پہلے سے معلوم ہو جائے کہ جھگڑا ہوگا تو اس وقت وہ طریقہ اختیار کریں جو پہلے لکھا گیا جس کا مضمون یہ ہے کہ:

”اگر کسی مخالف کی طرف سے کوئی شورش (ہنگامہ، فتنہ) ظاہر ہو تو حکام کے ذریعہ سے اس کی مداخلت کرو، خواہ وہ خود انتظام کر دیں، خواہ تم کو انتظام کی اجازت دے دیں“۔

---

[1] مسلم شریف

اور اگر حکام ہی کی طرف سے ناگوار واقعہ پیش آئے تو تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کردو۔ اگر پھر بھی حسب مرضی انتظام نہ ہو تو صبر کرو، اور عمل سے یا زبان سے یا قلم سے مقابلہ مت کرو، (کیونکہ حکومت سے مقابلہ کرنا حکومتوں کا کام ہے نہ کہ رعایا کا) اور اللہ سے دعاء کرو کہ تمہاری مصیبت دور ہو۔

اور اگر کہیں ظالم لوگ چھوڑ دینے پر نہ مانیں، اور جان ہی لینے پر آمادہ ہوں تو مسلمانوں کو مقابلہ پر مضبوط ہو جانا، ہر حال میں فرض ہے، گو کمزور ہی ہوں خلاصہ یہ کہ حتی الامکان فتنہ وفساد کو امن کے ساتھ دفع کریں۔ اور جو کوئی اس پر بھی سر ہو جائے (یعنی باز نہ آئے) تو پھر مرتا، کیا نہ کرتا۔[1]

ہندوؤں کو خوش کرنے یا اتحاد کی وجہ سے گائے کی قربانی ترک کرنا

سوال ۶۵۳ : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہندوؤں کو خوش کرنے اور اتفاق پیدا کرنے کے خیال سے گائے کی قربانی یا روزمرہ کے لئے گائے کا ذبح بند کر دینا کیسا ہے؟ ہندوستان کی حالت ملاحظہ فرماتے ہوئے شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب : محض ہندوؤں سے اتفاق پیدا کرنے اور ان کو خوش کرنے کے لئے گائے کی قربانی کو موقوف کر دینا اور ہمیشہ کے لئے گائے کی قربانی کا گوشت چھوڑ دینا درست نہیں، اس لئے کہ گائے کا ذبح کرنا شعائر اسلام سے ہے، اور گائے کا ذبح نہ کرنا اور اس کے گوشت سے مذہبی حیثیت سے نفرت کرنا شعائر کفر سے ہے، اسلامی شعائر کو چھوڑ کر کفر کے شعائر کو اختیار کرنا، اور اس خیال سے خود ذبح کو چھوڑ دینا اور کسی کو ترغیب نہ دینا بلکہ ترک کی

[1] حیوۃ المسلمین روح ۱۸، ص ۱۷۹

رغبت دلانا کہ مخالفین اسلام خوش رہیں، یہ مداراۃ ناجائز اور مداہنۃ فی الدین ہے، ہماری شریعت مطہرہ نے ہرگز اس کی اجازت نہیں دی ہے۔

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ میں تصریح ہے کہ اللہ ورسول کو ناراض کر کے جب مسلمانوں کو راضی کرنا بھی موجب عقاب وعتاب ہے تو اللہ ورسول کو ناراض کر کے کافروں کو راضی کرنا تو کس طرح موجب عتاب نہ ہوگا اس امر کو معمولی نہ سمجھیں۔

دوسرے مذہب کی رعایت میں گوشت خوری ترک کرنا شریعت کی روشنی میں

فرمایا گوشت خوری وغیرہ میں بعض مسلمان کچھ کلام کرنے لگتے ہیں کہ یہ واجب یا شعائر اسلام میں سے تو ہے نہیں (پھر اس پر اتنا اصرار کیوں؟) مگر اس رائے کا مذموم ہونا اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اونٹ کا گوشت ترک کرنا چاہا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَّلاَ تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتُ الشَّيْطَانِ.

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو اور شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو۔

تشریح:- حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ جو پہلے علماء یہود تھے اور اس مذہب میں اونٹ کا گوشت حرام تھا، ان صاحبوں کو اسلام کے بعد یہ خیال ہوا کہ شریعت موسویہ میں اونٹ کا گوشت کھانا حرام تھا اور شریعت محمدیہ میں اس کا کھانا فرض نہیں۔ سو اگر ہم بدستور اونٹ کا گوشت باوجود حلال اعتقاد رکھنے کے صرف عملاً ترک کر دیں تو شریعت موسویہ کی بھی رعایت ہو جائے اور شریعت محمدیہ کے بھی خلاف نہ ہو اور اس میں خدا تعالیٰ کی زیادہ اطاعت اور دین کی زیادہ رعایت معلوم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس خیال کی اصلاح اہتمام

[1] امدادالفتاویٰ جلد ۳ ص ۵۹۵ تا ۵۷۶

سے فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کامل فرض ہے اوراس کا کامل ہونا جب ہے کہ جوامر اسلام میں قابل رعایت نہ ہو اسکی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جائے اور ایسے امر کو دین سمجھنا یہ ایک شیطانی (مکراور) لغزش ہے۔(بیان القرآن، جلدا، ص ۱۱۷)

اوراس مکر شدید کی جڑتھی ملت منسوخہ کی رعایت، پس مکر کا حاصل یہ ہوا کہ جب وہ ملت اسلامیہ کے معارض ہے اوراس گوشت کو اسلام نے قبیح نہیں قرار دیا پھر ایسا کیوں کیا جاتا ہے، (کہ دوسرے مذہب کی رعایت واتباع میں گوشت چھوڑ دیا جائے) اسی کو اتباع شیطان فرمایا پھر بھی اگر کسی کی رائے ہو کہ گاؤکشی چھوڑ دیں تو چونکہ اس رائے کی بنیاد ملت کفریہ کی رعایت ہے یہ اس سے بھی اشد (سنگین) ہوگا۔

ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ یہ تو گویا جائز کو واجب قرار دیدیا۔

میں نے کہا کہ خصوصیت کے اعتبار سے گوفی نفسہٖ یہ واجب نہیں لیکن ملت کفریہ کی رعایت کے مقابلہ میں بیشک اہل اسلام کا شعار ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ گائے کا گوشت کھانے سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں ہے حالانکہ حضور ﷺ کے اس فرمانے سے شدید تعلق معلوم ہوتا ہے۔

مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فذلک المسلم [1]

(یعنی جس نے ہمارے طریقے کے مطابق نماز پڑھی، ہمارے قبلہ کو قبلہ بنایا، ہمارا ذبیحہ کھایا وہ مسلمان ہے۔[2]

مزید تحقیق وتفصیل

بعض مسلمان ہندوؤں کے میل جول کی وجہ سے گائے کا ذبح کرنا اوراس کا گوشت کھانا پسند نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اسلام کچھ گوشت خوری پر موقوف نہیں، اسلام

[1] بخاری شریف، فتح الباری ص ۶۵۴ ج ا [2] حسن العزیز، جلد ۲، ص ۳۹۶

میں گوشت کھانا اور نہ کھانا دونوں یکساں ہیں گائے کا گوشت نہ کھا کر بکری کا کھالیا تو اس میں کیا حرج ہے گائے کا گوشت کھانا فرض تھوڑی ہے۔

افسوس ان لوگوں نے شریعت خداوندی کے مقابلہ میں اپنی ایک شریعت گھڑلی ہے، ان لوگوں نے یہ مسئلہ ہندوؤں سے لیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ گائے ہندوؤں کا معبود ہے اس کا ذبح کرنا اس لئے ان کو ناگوار ہے۔ پھر ان مسلمانوں کو شرم نہیں آتی کہ جس غرض کا منشاء شرک ہو اس میں وہ ہندوؤں کی موافقت وحمایت کرتے ہیں۔ (ص۳۲)

جو چیز عام طور پر اسلام وکفر میں امتیاز پیدا کرنے والی ہو وہی شعائر اسلام ہے اور ظاہر ہے کہ ہندوستان میں مسلمان کو ہندوؤں سے امتیاز گائے کے ذبح اور اس کا گوشت کھانے سے ہوتا ہے اور اس وقت تجربہ نے بتلا دیا کہ جو لوگ اس شعار اسلام کے تارک تھے زیادہ تر وہی فتنہ ارتداد کے دام میں مبتلا ہوئے، اور جو اس شعار کو اختیار کئے ہوئے ہیں ان کی طرف کوئی رخ بھی نہیں کرتا تو علاوہ شعار اسلام ہونے کے یہ بڑا پہرہ دار بھی ہے۔

قربانی سے متعلق اخباروں میں مضامین شائع کرنا پسندیدہ نہیں

بعض لوگ گائے کی قربانی کی متعلق اخباروں میں اپنی رائے لکھ کر ہم سے بھی درخواست کرتے ہیں کہ ہم بھی اخباروں میں اس کے متعلق اپنی رائے لکھیں مگر ہمارے نزدیک اخباروں میں آج کل ایسا مضمون لکھنا حکام کو اپنی طرف سے بدگمان کرنا ہے، کیونکہ نامہ نگاروں کو حکام عموماً مفسد سمجھتے ہیں اس لئے ہم کسی کو بدگمان کرنا نہیں چاہتے، ہمارے اصول میں سے ہے کہ اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمِ کہ تہمتوں کے موقع سے بچو، دوسرے اخبار میں مضمون لکھ کر اس مضمون کو بے وقعت کرنا ہے، عام مسلمانوں اور دینداروں کی نظروں میں اس مضمون کی کچھ وقعت نہیں ہوتی، اس لئے ہم کو اخبار میں مضمون لکھنا پسند نہیں، اور یہ بھی پسند نہیں کہ ہندوؤں کو چڑا چڑا کر گائے کی قربانی کریں کہ اس میں دل آزاری اور بلاضرورت فتنہ ہے، جیسے پہلے سے کرتے ہو اسی طرح کرتے رہو۔ (الضحایا ملحقہ سنت ابراہیم، ص۱۶۰)

باب ۸

قربانی کا جانور تندرست ہونا چاہئے

ایک حدیث شریف میں ہے کہ سب سے افضل قربانی وہ ہے جو اعلیٰ درجہ کی ہو اور خوب موٹی ہو۔[۱]

اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پیاری قربانی وہ ہے جو اعلیٰ درجہ کی ہو اور خوب موٹی ہو۔[۲]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی قربانیوں کو خوب طاقتور کیا کرو، یعنی کھلا پلا کر کیونکہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔[۳]

فائدہ:- علماء نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں ایک یہ کہ قربانی کے جانور خود سواریاں ہوجائیں گی۔ اور اگر کئی جانور قربانی کئے ہوں تو یا تو سب کے بدلے میں ایک بہت اچھی سواری مل جائے گی اور یا ایک منزل میں ایک جانور پر سواری کریں گے۔ (دوسری منزل میں دوسرے جانور کی سواری)

دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ قربانیوں کی برکت سے پل صراط پر چلنا ایسا آسان ہوجائے گا جیسے خود گویا ان پر سوار ہوکر پار ہوگئے۔[۴]

اس حقیقت پر غور کریئے کہ قربانی جب لڑکے کے قائم مقام ہے تو اس جانور کے

[۱] کنز العمال [۲] کنز العمال [۳] کنز العمال [۴] حیوۃ المسلمین، ص۱۲۹

اندر ضرور ایسے صفات ہونا چاہئے جن سے وہ لڑکے کے قائم مقام ہو یعنی خوب موٹا تازہ جانور ہو کہ جس کو ذبح کرتے ہوئے کچھ تو دل دکھے جیسے لڑکے کے ذبح کرنے میں دکھتا، بالکل مریل نہ ہو کہ جس کے ذبح ہونے ہی کو غنیمت سمجھے، کہ مرتا تو یہ ضرور، اچھا ہوا اس سے یہ کام نکل آیا۔ یہ جو بعض لوگوں کی عادت ہے کہ قربانی میں بالکل مریل جانور ذبح کرتے ہیں یاد رکھو وہاں بھی ایسا ہی ملے گا، اور جب وہ پھر تم ہی کو ملنے والا ہے تو جس قدر اس میں خرچ کرو گے اپنے ہی واسطے کرو گے۔[1]

قربانی شعائر اسلام میں سے ہے

موٹے جانور کی قربانی کا حکم دیا گیا ہے

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سَمِّنُوا ضَحَايَاكُمْ فَإِنَّهَا عَلَى الصِّرَاطِ مَطَايَاكُمْ (یعنی قربانی کے جانور کو کھلا پلا کر خوب موٹا کیا کرو، کیونکہ وہ پل صراط پر تمہاری سواری ہوگی)

اور اس حدیث کی قرآن کی آیت سے بھی تائید ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہے

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (پ۱۷)

تعظیم کے عموم میں تفخیم بدن (یعنی جسم کو موٹا کرنا) اور شعائر کے عموم میں قربانی بھی داخل ہے۔

اور ظاہر ہے کہ تسمین (یعنی جانور موٹا کرنے) کی صورت یہی ہے کہ حج کے وقت سے پہلے جانور خریدا جائے اور اس کو کھلا پلا کر موٹا تازہ کیا جائے، حج کے وقت سے پہلے ذی قعدہ بھی ہے اور شوال بھی ہے۔ شوال کو ذی قعدہ پر یہ ترجیح ہے کہ شوال کو شریعت نے افعال حج کا مبداء قرار دیا، کہ اس سے احکام حج شروع ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ شوال

[1] ترغیب الاضحیۃ، ص ۱۲۸

سے احرام باندھنے کے ساتھ ساتھ سوق ہدی (جانور کو ساتھ لے جانا بعض صورتوں میں ہوتا ہے) کیونکہ احرام کی ایک قسم وہ بھی ہے جو سوق ہدی کے ساتھ ہو، اس صورت میں شوال ہی سے احرام کے ساتھ قربانی کی بھی تیاری ہوگی، غرض حج اور قربانی شرعاً دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قران شریف میں حج اور قربانی کو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ سورہ حج میں ہے وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ الخ اس آیت میں تو افعالِ حج کا ذکر ہے، اور اس کے بعد کی آیت میں قربانی کا بھی ذکر ہے، ذٰلِکَ وَمَنْ یُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰہِ الآیۃ کیونکہ شعائر وہ ہیں جن سے اسلام کی شان وشوکت ظاہر ہوتی ہے، تو جیسے حج وسعی اورطواف وغیرہ شعائر میں سے ہیں۔ ایسے ہی قربانی بھی شعائر میں سے ہے کیونکہ ان سب میں یہ بات مشترک ہے کہ ان سے اسلام کی شان وشوکت ظاہر ہوتی ہے۔[1]

قربانی کا جانور کیسا ہونا چاہئے

جب قربانی کا جانور آپ کی جان کا عوض ہے تو اس کو کچھ تو ایسا ہونا چاہئے کہ محبوب اور پیارا ہو، اب جو لوگ سڑیل سے سڑیل اور گھٹیا سے گھٹیا جانور خریدنے کی فکر کرتے ہیں۔ یہ زیبا نہیں لیکن اگر عمدہ مال ہو اور سستا مل جائے تو اس کا مضائقہ نہیں یہ تو عاجل بشری المؤمن (مومن کے لئے نقد انعام) ہے۔ ہم خرما ہم ثواب، لیکن بعض لوگ تو چھانٹ کر خراب جانور خریدتے ہیں سو اس کی ممانعت ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَلاَ تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِیْهِ

ترجمہ:۔ اس میں قصد کی ممانعت ہے کہ اللہ کے واسطے چھانٹ کر بری چیز کا قصد نہ کرو، اور قصد کی قید میں بھی رحمت ہے کیونکہ حق تعالیٰ جانتے ہیں کہ بعض لوگ غریب بھی ہوں گے جن کے پاس گھٹیا ہی مال ہوگا تو اگر وہ گھٹیا دیں تو مضائقہ نہیں کیونکہ وہ گھٹیا کا

[1] السوال فی شوال، ص ۱۷۱



انتخاب اور قصد نہیں کرتے، بلکہ اس لئے گھٹیا دیتے ہیں کہ ان کے پاس اور ہے ہی نہیں پھر آگے اس کا معیار بتاتے ہیں جس سے معلوم ہوجائے گا کہ ہر شخص کے اعتبار سے گھٹیا کا درجہ کیا ہے۔

گھٹیا جانور کا معیار

چنانچہ فرماتے ہیں وَلَسْتُمْ بِآخِذِيْهِ یعنی بس یہ دیکھ لو کہ اگر ایسی چیز تم کو کوئی دے تو تم بھی خوشی سے اس کو لے سکتے ہو یا نہیں۔ لحاظ کا لینا معتبر نہیں اس لئے آگے اِلَّا اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ (ہاں مگر چشم پوشی کر جاؤ) بھی بڑھا دیا۔

پس جو چیز تم دوسرے سے خوشی کے ساتھ لے سکتے ہو اس کو اللہ کے نام پر بھی دے سکتے ہو۔ اور ظاہر ہے کہ جس غریب کے پاس سب گھٹیا ہی مال ہے وہ دوسرے سے بھی اس جیسی چیز کو لے سکتا ہے لہٰذا ان کو گھٹیا جانور کی قربانی جائز ہے۔ اور جو لوگ ایسے نازک ہیں کہ بیمار اور دبلے جانور کا گوشت کبھی نہیں لیتے ہمیشہ عمدہ جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں اگر یہ دبلے پتلے جانور کی قربانی کریں گے تو اس کی ممانعت ہوگی۔

کیا رحمت ہے کہ حق تعالیٰ نے معیار بھی خود ہی بتلا دیا تمہاری رائے پر نہیں چھوڑا۔ [1]

قربانی کا جانور عمدہ ہونا چاہئے

قربانی کے لئے جو جانور خریدا جائے وہ عمدہ ہونا چاہئے۔ جو تمام عیوب سے سالم ہو اور قیمت میں اچھا ہو، دیکھو اگر کلکٹر صاحب تم سے یہ فرمائش کریں کہ ہمارے لئے دودھ پینے کے واسطے ایک عمدہ گائے لاؤ، تو عمدہ سے عمدہ تمام گاؤں سے بھی اور آس پاس بھی دیکھ بھال کر گائے لوگے، بڑے غضب کی بات ہے کہ ایک حاکم ضلع کی جو ظاہری اور مجازی حاکم

[1] تکمیل الانعام، ص ۹۵





ہے اس کے حکم کا تو آپ کو اتنا اہتمام ہوا اور احکم الحاکمین اور حاکم حقیقی نے جو تم سے جانور مانگا ہے پھر وہ بھی تمہارے ہی لیے ہے اور پھر دام بھی خود اسی نے تم کو دیئے اس میں تم کفایت پر نظر کرتے ہو، بڑی ناشکری کی بات ہے۔ تم کو چاہئے کہ عمدہ سے عمدہ جانور لو، میرا مطلب یہ نہیں کہ (حیثیت سے زیادہ) ہزار روپئے کا جانور خرید و جب کہ وہ تمہاری حیثیت سے زیادہ ہو میرا مقصود یہ ہے کہ اپنی حیثیت واستطاعت کے موافق عمدہ جانور لو۔[1]

محض نام کی قربانی

بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ قربانی تو کرتے ہیں لیکن محض برائے نام، خواہ عنداللہ مقبول ہونے کے قابل ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ کانپور میں ایک لوہار تھے، انہوں نے قربانی کے لئے ایک ایسا بکرا تجویز کیا کہ جس میں سب ہی عیب تھے ایک شخص نے کہا کہ میاں ایسا جانور کیوں ذبح کرتے ہو؟ لوہار بولا واہ صاحب ہماری بیوی صاحبہ کا فتویٰ ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے، اس شخص نے کہا کہ ذرا ہم کو بھی دکھلاؤ، آپ کی بیوی نے کہاں سے فتویٰ دیا ہے، لوہار گھر گیا اور بیوی سے ذکر کیا کہ حضور کے فتویٰ کو بعض لوگ نہیں مانتے، ذرا انہیں بھی قائل کردو، وہ اتفاق سے اردو پڑھی ہوئی تھی، اس نے فوراً اردو کا شرح وقایہ نکال کر دکھلایا کہ دیکھو اس میں لکھا ہے کہ جس جانور کے تہائی سے کم دم کان ناک وغیرہ کٹی ہوں وہ جائز ہے، اس بکری میں چونکہ ہر چیز تہائی سے کم کٹی ہوئی ہے، اور یہ عیب مؤثر نہیں لہذا جائز ہے، اس شخص نے کہا کہ بھائی ہم شرح وقایہ تو سمجھتے نہیں علماء کے پاس چلو اور یہ جانور ان کو دکھلا لو پھر وہ جو حکم دیں اس پر عمل کرو، لوہار کہنے لگا کہ بس صاحب ہم کو تو ہماری بیوی کا فتویٰ کافی ہے، کسی عالم کو دکھلانے کی ضرورت نہیں۔ بس اس لوہار کو قربانی کا صرف نام کرنا تھا۔[2]

[1] الضحایا ملحقہ سنت ابراہیم، ص۱۴۴ [2] سنت ابراہیم، ص۳۶



ایسی قربانی قبول نہیں

بعض صورتوں میں گو قربانی ہوجاتی ہے مگر قبول نہیں ہوتی، کانپور میں ایک مستری تھے، انہوں نے ایک بھیڑ خریدی، کوئی عیب ایسا نہ تھا جو اس میں نہ ہو لیکن ہر عیب تہائی سے کم تھا، ضابطہ اور قانون کی رو سے اس بھیڑ کی قربانی جائز تھی، ایک شخص نے کہا کہ میاں ایسی بھیڑ کیوں کرتے ہو کیا اچھا جانور میسر نہیں آتا؟ کہنے لگے واہ ہماری بیوی کہتی ہے کہ جائز ہے، (میری بیوی پڑھی لکھی ہے) گھر پہنچے، بیوی سے تذکرہ کیا کہ ایک شخص نے تمہارے مسئلہ پر اعتراض کیا۔ بیوی نے فوراً شرح وقایہ کا اردو ترجمہ نکالا اور قربانی کا بیان نکال کر وہاں نشان رکھ کر باہر بھیج دیا کہ ان معترض صاحب کو دکھلا دو۔

میں کہتا ہوں کہ قربانی ہو بھی گئی یعنی ضابطہ کی رو سے اسکی صحت کا حکم کر دیا گیا لیکن ایسی قربانی کیا قبول بھی ہوسکتی ہے؟ جس کو یہ شخص مخلوق کے لئے پسند نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ

یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں قربانی کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے لیکن ان کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو نیتوں کو دیکھتے ہیں کہ ہمارے نام پر اس نے کتنی پیاری شئی کو خرچ کیا ہے۔ اور جب ایسی خوبصورت قربانی ہوگی تو نیت کا حال اس سے خود ہی معلوم ہوتا ہے، کہ کیسی ہے تو کیا قبول ہونے کی امید ہے؟ ہاں اگر اس سے اچھی میسر ہی نہیں تو وہ دوسری بات ہے۔

دیکھئے اگر حاکم ضلع کسی رئیس سے فرمائش کرے کہ ہمارے واسطے ایک گائے لاؤ، تو سچ بتاؤ کہ کیسی گائے لے جاؤ گے؟ خصوصاً اس صورت میں جب یہ بھی معلوم ہو کہ جس قدر عمدہ گائے ہم لے جائیں گے حاکم ہم سے خوش ہوگا، کان ناک آنکھ ہاتھ پاؤں سب کی

خوبصورتی کا خیال کریں گے اپنی گنجائش کی حدتک قیمتی اورخوبصورت کی تلاش ہوگی افسوس کی بات ہے کہ ایک ادنی حاکم مجازی کہ جس سے نفع پہنچنا موہوم ہے اس کی یہ رعایت اور حاکم حقیقی جس کی طرف سے ہروقت نعمتوں کی بارش ہم پر ہے وہ ایک جانور مانگتے ہیں اور وہ بھی ہمارے ہی نفع کے لئے ہے اس میں اس قدر تساہل۔

حضرت عمرؓ نے سورہ بقرہ کے ختم کے شکریہ میں ایک اونٹنی ذبح کی تھی اس کی ان کو تین سو اشرفیاں ملتی تھیں مگر دی نہیں اور اللہ کے نام پر اسکو ذبح کر دیا، ایک اشرفی دس درھم کی ہوتی ہے اور ایک درھم سوا چار آنہ کا تخمیناً ہوتا ہے۔

اور اب تو اگر عمدہ جانور لیتے بھی ہیں تو اس میں بھی خلوص نہیں ہوتا اس میں بھی یہ چاہتے ہیں کہ نام ہو جائے۔[1]

ایسے جانور کی قربانی جائز بھی نہیں

ایک مسئلہ یہ ہے کہ بعض لوگ قربانی کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ جانور شریعت کی رو سے ملک طیب ہے یا ملک خبیث ،تو بعض دفعہ ملک خبیث ہوتی ہے، وہ خدا کے یہاں مقبول نہیں گو واجب اتر جاتا ہے اور بعض دفعہ ملک ہی نہیں ہوتی۔ جیسے چرائی کا بکرا کہ سال بھر میں ایک دفعہ زمیندار کو دیا جاتا ہے یہ آمدنی حرام ہے کہ لینے سے بھی اس کا کوئی مالک نہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ گھاس کسی کی ملک نہیں۔ اسمیں سب کا حق ہے، وہ دوطرح ملک ہوسکتی ہے، کاٹنے سے یا کھیت کی طرح سینچنے سے بھی ملک ہو جاتی ہے۔ مگر یہ جو ہزاروں بیگھوں کا رقبہ پڑا ہے۔ وہاں کون آبپاشی کرتا ہے تو کسی کی ملک نہیں ہے، اس سے سب کو نفع اٹھانا جائز ہے، اس کی مثال آبِ باراں کی سی ہے کہ اس کا کوئی مالک نہیں تو گھاس کا بھی کوئی مالک نہیں جس کا کھر یا چل جائے وہی مالک ہے۔

تو گھاس کے عوض جانور لینا (جیسا کہ بعض علاقوں میں رواج ہے) ہرگز جائز نہیں

[1] تعظیم الشعائر ملحقہ سنت ابراہیم، ص ۲۲۲

اور اگر کسی نے لیا تو وہ اس کی ملک میں نہیں آتا بلکہ اسی کا ہے جس نے دیا ہے، لینے والے کو اس میں کسی قسم کا تصرف جائز نہیں، اور اگر اسکی قربانی کی تو ادا نہ ہوگی، (کیونکہ یہ جانور اس کی ملک نہیں) بلکہ خود اس کے لئے اسکا تجویز کرنا معاذ اللہ ایسا ہے جیسے غلیظ کو کسی بڑے عظیم الشان حاکم کے پاس تحفہ میں لے جائے۔خدا کا خوف کرنا چاہئے، اول تو یہ جانور لینا نہ چاہئے اور اگر لے لیا ہے تو اس کی قربانی نہ کرے (بلکہ واپس کردے) اور اگر قربانی بھی کرو تو خدا کے لئے اسے خود ہی کھاؤ کسی اور مسلمان بھائی کو تو (حرام) مت کھلاؤ کوئی خود پاخانہ کھائے تو دوسروں کو تو نہ کھلائے۔[1]

سستے اور گھٹیا جانور کی قربانی کرنے والوں سے خطاب

جب قربانی میں جانور کا ذبح کرنا لڑکے کے ذبح کے قائم مقام ہے تو قربانی کا جانور ایسا ہونا چاہئے جو اپنی نوع میں محبوب ومرغوب ہوتا کہ اس کو احب الاشیاء (محبوب شئی یعنی بیٹے) کا عوض کسی درجہ میں تو کہا جا سکے۔نہ یہ کہ تمام جانوروں سے دلدّر (ردی سستا خراب لاغر) تجویز کیا جائے۔نعوذ باللہ بھلا غور تو کرو اگر ایک حاکم ضلع درخواست کرے کہ ہمارے لئے ایک گائے لاؤ کیا تم ایسا ہی جانور اس کے سامنے پیش کروگے، جیسا قربانی میں تجویز کیا جاتا ہے؟ ہرگز نہیں پھر شرم نہیں آتی کہ سب سے بڑے حاکم احکم الحاکمین کے لئے ایسا دلدّر (ردی جانور) ذبح کیا جاتا ہے، یوں تاویل کرنے کو تو ہم تاویل کرلیں گے کہ حکام دنیا معمولی جانور سے راضی نہیں ہوتے اور اللہ تعالیٰ راضی ہوجاتے ہیں۔اس لئے یہاں ویسا اہتمام نہیں ہوتا جیسا کہ دنیاوی حکام کے لئے کیا جاتا ہے، مگر یہ تاویل عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے، (یعنی ایسی تاویل جو گناہ سے بدتر ہے) اللہ تعالیٰ کے راضی ہوجانے کا یہی بدلہ ہے جو تم نے دیا، افسوس! اللہ تعالیٰ سستے مل گئے اس واسطے ان کی قدر نہیں کی جاتی۔[2]

---

[1] تعظیم الشعائر، ص ۲۳ [2] السوال فی شوال ملحقہ سنت ابراہیم، ص ۱۸۵

جیسا مال اللہ کی راہ میں خرچ کروگے ویسا ہی وہاں ملے گا

مال کا خرچ کرنا محبت کی بڑی علامت ہے۔ پس قربانی کو اس حیثیت سے بھی ایک فضیلت ہوئی کہ اس کی حقیقت جنسیہ انفاق مال ہے، (یعنی قربانی کرنا مال خرچ کرنے والی عبادت ہے)

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ انفاق مال کا کون سا فرد (یعنی اللہ کی راہ میں کون سا مال خرچ کرنا) پسندیدہ ہے، سواس کے متعلق ارشاد ہے۔

"لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" (پارہ۴ آل عمران)

"یعنی تم نیکی کو ہرگز نہ پہنچو گے یہاں تک کہ اس شئی سے خرچ کرو جس کو تم چاہتے ہو"۔

اب تو یہ حالت ہے کہ چھانٹ چھانٹ کر نکمّی چیزیں اللہ کے نام خرچ کی جاتی ہیں۔ کھانا جب سڑ جائے گا اور باورچی یا ماما آکر کہے گی کہ اس میں سے بو آنے لگی ہے تو کہیں گے کہ اللہ کے واسطے دے دو۔ کپڑا پھٹا ہوا جو کسی قابل نہ ہو کہیں گے کہ کسی طالب علم کو اللہ کے واسطے دے دو، غرض اللہ واسطے وہ چیز تجویز کرتے ہیں جو بالکل سڑیل اور اپنے سے نکمّی ہو۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یادرکھو! جیسی شئی تم دیتے ہو ایسے ہی وہاں تم کو بھی ملے گی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضورﷺ مسجد میں تشریف لائے اور کھجور کا ایک خوشہ دیکھا جس میں گلی ہوئی کھجوریں تھیں، حضورﷺ نے فرمایا یادرکھو وہاں ایسا ہی ملے گا۔ ہاں اگر کسی کے پاس عمدہ چیز ہی نہ ہو تو دوسری بات ہے، اس کی وہی چیز عمدہ ہے، خلاصہ یہ کہ اللہ کے واسطے پیاری چیز دینا چاہئے، اسی طرح قربانی کے اندر جو جانور خریدا جائے اس کو خوب دیکھ لینا چاہئے کہ تمام عیبوں سے سالم ہو قیمت میں اچھا ہو، اس کے محبوب ہونے کی یہی صورت ہے لیکن اب لوگوں کی یہ کیفیت ہے سڑیل سے سڑیل جانور قربانی کے لئے خریدتے ہیں بہرحال قربانی کے لئے جو جانور خریدا جائے عمدہ ہونا چاہئے۔ (الضحایا، ص۱۴۳)

عمدہ قربانی کرنے میں پیسے زیادہ خرچ ہونے کا شبہ

اگر کوئی یہ کہے کہ عمدہ مال (اچھے جانور کی قربانی کرنے) میں روپے بھی تو بہت خرچ ہوتے ہیں پھر محتاج ہو جائیں گے۔اس کا جواب دیتے ہیں

اَلشَّيۡطَانُ يَعِدُكُمُ الۡفَقۡرَ وَيَأۡمُرُكُمۡ بِالۡفَحۡشَاءِ

کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے وہ تم کو فقر سے ڈراتا ہے، اور بے حیائی کی بات بتلاتا ہے،فحشاء سے مراد یہاں مفسرین کے نزدیک بخل ہے۔واقعی یہ کیسی بے حیائی کی بات ہے، کہ خدا ہی کا مال اس کے حکم سے بھی دینا نہیں چاہتا۔

آگے زیادہ ہمت بڑھاتے ہیں وَاللّٰهُ يَعِدُكُم مَّغۡفِرَةً مِّنۡهُ وَفَضۡلاً

اور اللہ تعالیٰ تم سے (خرچ کرنے پر) مغفرت کا وعدہ فرماتے ہیں اور (مال ودولت کی) ترقی کی امید دلاتے ہیں۔پس مطمئن رہو کہ صدقہ خیرات (اور قربانی کرنے) سے مال میں کمی نہ آئے گی۔بلکہ ترقی ہوگی۔حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا۔بہرحال (اللہ کی راہ میں خرچ کرکے) فقر کا اندیشہ نہ کرو،اور خدا کے نام پر جہاں تک ہوسکے عمدہ جانور ذبح کرو،جس کو ذبح کرکے کچھ تو دل دکھے،جیسا کہ اپنی جان کو پیش کرتے یا بیٹے کو ذبح کرتے تو دل دکھتا،اب ویسا تو کہاں دکھے گا،لیکن کچھ تو مال ایسا ہو جس کو ذبح کرکے دل پر کچھ چوٹ لگے۔[1]

کس جانور کی قربانی کرنا زیادہ افضل ہے

بکری بھیڑ بھی قربانی کے جانور ہیں۔اور اس لئے وہ بھی دین کی یادگار ہیں مگر آیت (وَالۡبُدۡنَ جَعَلۡنٰهَا ......الآیة) میں خاص طور پر اونٹ اور گائے کا ذکر فرمانا اس لئے ہے کہ ان کی قربانی بھیڑ بکری کی قربانی سے افضل ہے۔جبکہ پورا جانور کرے۔

[1] تکمیل الانعام ص۹۴ تا ۹۶



(اورشریعت میں بھینس بھی گائے کی قسم سے ہے۔''لان الجاموس نوع من البقر''
اوراگر(پوراجانورمثلاً) پوری گائے یااونٹ نہ ہوبلکہ اس کا ساتواں حصہ قربانی میں لے لے تواس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ ساتواں حصہ اور پوری بکری یا بھیڑ قیمت اورگوشت کی مقدار میں برابر ہوں توجس کا گوشت عمدہ وہی افضل ہے، اوراگر قیمت اورگوشت میں برابر نہ ہوں توجو زیادہ ہووہ افضل ہے۔[1]

[1] شامی تاتارخانیہ،حیٰوۃ المسلمین،ص۱۲۶



باب ۹

قربانی میں ہونے والی کوتاہیاں اور چند متفرق احکام

قربانی کے اندر دو قسم کی خرابیاں لوگ کرتے ہیں بعض تو مقبول ہونے کی رعایت نہیں کرتے اور بعض قربانی صحیح ہونے کی طرف توجہ نہیں کرتے، چنانچہ ایک مقام پر ایک شخص نے دوسرے سے کہہ دیا کہ بھائی میرے بھی دو حصے کر دیجیو، قربانی کے حصے تو لے لئے اور خود غائب ہو گئے اور دام (پیسے) بھی نہ دیئے۔

عقلاء زمانہ اس میں مختلف ہیں کہ قوم کی تباہی کا کیا سبب ہے میرے نزدیک تو تباہی کا اصل سبب بدمعاملگی ہے، بدمعاملگی کا مرض اس وقت عام ہے، چنانچہ ان صاحب نے بدمعاملگی کی کہ قربانی کے حصے تو لے لئے اور خود غائب ہو گئے اب گائے ذبح ہوگئی اور گوشت کی بوٹیاں بن گئیں اور وہ حصہ والے موجود نہیں اب دام (جانور کی قیمت) کس سے لیں، ایک مجتہد صاحب بولے کہ بھائی وہ تو غائب ہو گئے اب کوئی اور لے لے جس کو دو حصے قربانی کے لینے ہوں وہ بھلے مانس سمجھے کہ گوشت مقصود ہے حالانکہ قربانی سے مقصود گوشت نہیں بلکہ اِرَاقَةُ دَمٍ لِلّٰہِ یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے ایک جانور کا خون بہانا ہے، اگر کسی ایک شریک کی بھی نیت گوشت کی ہوگی تو سب کی قربانی برباد ہوگی۔ غرض مقصود اللہ کے واسطے ایک جانور کا خون بہانا ہے، اور گوشت کا تو اختیار ہے، خواہ خود کھاؤ یا کھلاؤ۔ غرض ایک شخص عقل مند بھی مل گیا جس نے کٹے ہوئے وہ دو حصے خرید لئے اور بزعم خود اپنی قربانی درست سمجھ لی، اور ان ظالموں نے مل کر اس خریدار گوشت کی قربانی برباد کی۔ (الغرض) بعض صورتیں ناواقفی سے ایسی پیش آجاتی ہیں کہ قربانی قبول تو کیا صحیح بھی نہیں ہوتی۔[1]

[1] تعظیم الشعائر ملحقہ سنت ابراہیمؑ ص ۲۲۱

قربانی سے متعلق کوتاہیاں اوران کی اصلاحات

ماخوذازاصلاح انقلاب

اس میں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ باوجود وسعت اوروجوب کے قربانی نہیں کرتے بلکہ بعض خاندانوں میں کئی پشت سے قربانی نہیں ہوئی، بلکہ بعض دیہات کے لوگ اس کو جانتے تک بھی نہیں۔بعض سستی وبے پروائی کے سبب نہیں کرتے۔بعض بخل کے سبب کوتاہی کرتے ہیں۔

پس اگرسبب اس کا ناواقفی وبےخبری ہے تو اسکی اصلاح یہ ہے کہ ان کو ان کے وجوب سے اورترک پر جووعید ہے جیسا ابن ماجہ میں حدیث مرفوع ہے مَنْ وَجَدَ سَعَةً وَلَمْ يُضَحِّ فَلاَ يَقْرُبَنَّ مُصَلاَّنَا (یعنی جس شخص کے پاس قربانی کرنے کی گنجائش ہواورپھربھی وہ قربانی نہ کرے توایسا شخص ہرگز ہماری عیدگاہ میں نہ آئے،اس پران کواطلاع دی جائے بالخصوص واعظین وخطباء یاان اہل علم کوجو دیہات میں وعظ وتبلیغ کی غرض سے جاتے ہیں ضروری ہے کہ وہ دیہات کے لوگوں کوجب کہ وہ جمعہ میں حاضر یاخود دیہات میں جاتے ہیں اس کے وجوب پر بلکہ اس کے متعلق احکام پر بھی آگاہ کردیں۔

بعض باوجود اس قدر وسعت کہ جس پر قربانی واجب ہوتی ہے اپنے ذہن میں اسے اس لئے سبکدوش سمجھے ہوئے ہیں کہ ان کو اس وسعت کی مقدار معلوم نہیں،توان کواس سے آگاہ کیا جائے کہ جس کے پاس حوائج ضروریہ سے زائد تخمیناً پچاس روپیہ نقد یامال تجارت یازیورات یاجائیداد ومکانات علاوہ مکان سکونت وکفایت معاش سالانہ کے موجود ہو،پس اتنی وسعت پر قربانی واجب ہوجائے گی۔خواہ مرد ہو یاعورت البتہ بچوں پر یابچوں کی طرف سے واجب نہیں۔

اوراگر بے پروائی اس کا سبب ہے توان لوگوں کوغورکرنا چاہئے کہ دنیا کی جلب منافع ودفع مضار کے لئے (یعنی نفع کی چیزیں حاصل کرنے اورنقصانات سے بچنے کے

لئے)اگر چہ وہ درجہ ضرورت میں نہ ہواور اگر چہ وہ موہوم بھی ہوں ،کس قدر روپیہ موقع پر بلکہ ہر روز ہی خرچ کیا کرتے ہیں اور پھر وہ فانی (یعنی ختم ہونے والا نفع ہے) تو کیا آخرت کے اتنے بڑے ثواب کی تحصیل کے لئے کہ اس سے زیادہ کوئی منفعت نہیں اور اتنے بڑے گناہ وعذاب سے بچنے کے لئے کہ اس سے بڑھ کر کوئی مضرت نہیں اور پھر دونوں یقینی اور باقی اور ضروری الرعایت بے پروائی اور سستی کی جائے کتنی بڑی نادانی ہے۔

اور اگر سبب اس کا بخل ہے تو فوری علاج تو اس کا ان ہی منافع ومضار کا استحضار ہے جس کا ابھی بیان ہوا اور با قاعدہ علاج اس کا یہ ہے یہ مادہ بخل کو ختم کیا جائے جس کی تدبیریں کتب فن میں ملیں گے۔

قربانی کے عبادت ہونے میں شبہ

بعض لوگوں کو اس سے بڑھ کر ایک سبب اس ترک کا ہوگیا ہے کہ وہ اس کے عبادت ہونے میں شبہ کرتے ہیں۔ بالخصوص حج کی قربانی کو بوجہ کثرت ذبائح محض اضاعتِ مال ہی سمجھتے ہیں ان کی اصلاح یہی ہے کہ وہ علماء محققین سے اپنی تسلی مفصل شبہات پیش کر کے کرلیں۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ عبادت کی حقیقت امتثال امرالٰہی ہے (یعنی حق تعالیٰ کی اطاعت کرنا)اور جب قربانی کا مامور بہ ہونا ثابت ہے پھر عبادت ہونے میں کیا شک ہے۔

رہا یہ سوال کہ امرالٰہی کس حکمت سے ہو گو ایسے سوالات کے جوابات میں اس وقت خاص دلچسپی سے کام لیا جاتا ہے، مگر سچا جواب یہ ہے کہ یہ سوال ہم سے پیش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ہم بانی قانون نہیں جو قانون کی لِم (عِلت) جاننے کے مدعی ہوں ہم ناقل وحاکی قانون ہیں جب واضع قانون کے روبرو کھڑے کئے جائیں گے اگر ہمت ہوگی پوچھ لینا پھر جو جواب ان کے نزدیک مصلحت ہوگا عنایت کردیں گے خواہ تقریر ومقال سے ،خواہ تعزیر ونکال سے۔

وفعات قوانین کی علل وکلاء یہ مجسٹریٹ وجج سے پوچھنا سخت نادانی ہے۔اگر کوئی پوچھے بھی ان کو یہ جواب دینے کا حق ہے کہ واضعان قانون سے پوچھو ہم اس کے ذمہ دار نہیں تو علماء ایسے سائلوں کو ایسا جواب کیوں نہیں دے سکتے اور جب دے سکتے ہیں تو کیوں نہیں دیتے؟ کیوں سائل کی بے محل فرمائش کا اتباع کرتے ہیں؟

اسی طرح اضاعت مال کے شبہ کا جواب ہے کہ اضاعت اس وقت ہوتی ہے جب اس میں کوئی فائدہ نہ ہوتا اور جب فائدہ اس میں رضائے حق ہے جس کا مقابلہ کوئی فائدہ نہیں کرسکتا تو اضاعت کیسے ہوئی؟

سستی قربانی کی تلاش

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض وسعت والے قربانی تو کرتے ہیں مگر بڑی کوشش اس کی ہوتی ہے کہ کوئی حصہ سستا مل جائے گو اس میں کچھ عیب بھی ہو مگر ایسا نہ ہو جو مانع جواز قربانی ہو اور وجہ اس کی دو ہیں۔ایک بخل جس کا علاج اوپر گذر چکا ہے،اور دوسرے یہ خیال غیر واقعی کہ قیمت کے بڑھنے سے یا مال کے عمدہ ہونے سے ثواب میں زیادتی نہ ہوگی بلکہ ایک حصہ میں جس قدر ثواب ہوتا ہے وہ قانون میں برابر ہوگا اگر زیادہ بھی ہوئی تو ہم زیادتی کو کیا کریں گے؟ پس اتنا ہی کافی ہے کہ برأت ذمہ حاصل ہوجائے۔اس کی اصلاح یہ ہے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ جس قدر مال عمدہ ہوگا یا قیمت زیادہ ہوگی ثواب زائد ہوتا جائیگا۔ ’’لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ‘‘ (تم اس وقت تک نیکی حاصل نہیں کرسکتے جب تک اپنے محبوب اموال میں سے خرچ نہ کرو)

اور لَا تَیَمَّمُو الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّا اَنْ تُغْمِضُوا فِیْهِ (یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے وقت خراب مال دینے کا قصد نہ کرو کہ اس سے خرچ کرو اور جب کبھی لینے کا موقع ہو تو) تم اسے لینے والے نہیں ہو۔الا یہ کہ چشم پوشی سے کام لو اور حدیث سَمِّنُوْا ضَحَایَاکُمْ (اپنے قربانی کے جانوروں کو فربہ کرو) اور حضرت عمرؓ

کا قصہ ہے کہ ایک اونٹنی ذبح کی تھی جس کے تین سو دینار ان کو ملتے تھے۔(رواہ فی التفسیر المظہر ی) یہ سب دلائل واضح ہیں اس دعویٰ کے۔

اور یہ خیال کہ ہم زیادہ کو کیا کریں گے ؟ صرف برأت ذمہ کافی ہے، اس کا محل ہاں ہوسکتا ہے جہاں صرف مواخذہ سے بچنا ہو اور اس حاکم سے کوئی خاص تعلق نہ ہو نہ خاص تعلق پیدا کرنا مقصود ہو کیا حق جل وعلی شانہ کے تعلقات کے وجود یا مطلوبیت حصول کا کسی کو انکار ہوسکتا ہے، اگر نہیں ہوسکتا تو اس خیال کی گنجائش کہاں رہی ؟[۱]

چند ضروری احکام

اب میں قربانی کے متعلق چند ضروری احکام بیان کرتا ہوں جن کی اکثر ضرورت پڑتی ہے اور ان کے نہ جاننے سے قربانی بعض اوقات قبول تو کیا صحیح بھی نہیں ہوتی۔

قربانی کے ساتھ عقیقہ

(۱) قربانی کے ساتھ اگر عقیقہ کا حصہ لے لے تو جائز ہے، بعض لوگ شبہ کیا کرتے ہیں کہ اگر ساتواں دن نہ ہو تو کیا کیا جائے ؟ یاد رکھو! عقیقہ میں ساتویں دن ہونا ضروری نہیں، صرف مستحب ہے۔[۲]

عقیقہ کے گوشت کا مصرف

(۲) اس کے متعلق یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ عقیقہ کا مصرف بھی وہی ہے جو قربانی کا ہے، اگر تمام گوشت خود رکھو تو بھی کچھ حرج نہیں، قربانی تو نام ہے ’’اللہ کے واسطے جان کا قربان کرنا، جب جانور ذبح ہوگیا وہ ادا ہوگئی۔ اب گوشت کا اختیار ہے۔[۳]

---

[۱] اصلاح انقلاب، جلد ۱ ص ۱۲۱ تا ۱۲۴ [۲] تعظیم الشعائر ص ۲۲۵ [۳] تعظیم الشعائر ص ۲۲۶

جس کی طرف سے قربانی کی ہو اس کو اطلاع ضروری ہے

(۳) اکثر لوگ ایسا کرتے ہیں کہ اپنے کسی عزیز کی طرف سے قربانی کرتے ہیں اور اس کو اطلاع نہیں ہوتی اس صورت میں قربانی نہیں ہوتی اس میں بڑی احتیاط چاہئے۔اس لئے کہ اگر ایسی کوئی صورت پیش آجائے گی کہ جس سے ایک حصہ کی قربانی صحیح نہ ہو تو کسی کی بھی قربانی صحیح نہ ہوگی۔اس لئے کہ قربانی تواِرَاقَةُ دَمٍ (یعنی خون بہانے) کو کہتے ہیں اور وہ تقسیم کے قابل نہیں جیسے ایک کنواں مشترک ہو اور ایک شریک کہے کہ ہم تو اپنے کنویں میں پیشاب کریں گے ظاہر ہے کہ سارا ہی کنواں ناپاک ہوگا اسی واسطے ساجھی اگر بناؤ تو دینداروں کو بناؤ اور اگر دیندار نہ ملیں تو بہتر صورت یہ ہے کہ جس قدر شریک ہوں وہ کسی عالم کے پاس آجائیں اور سب اپنی اپنی کہہ دیں اور جس طرح وہ عالم فیصلہ کرے اسکے موافق (عمل) کریں۔اسی طرح سمجھو کہ اگر ایک حصہ میں کسی نے دو شخص کی نیت کرلی تو اس کا حصہ تو گیا ہی تھا۔اس کے ساتھ سب کا ہی ضائع گیا۔جیسے ایک نبی کے ساتھ انکار کرنا سب انبیاء علیہم السلام کا انکار ہے،اسی طرح سے قربانی کے لئے میں نے بیان کیا کہ اگر ایک حصہ بھی فاسد ہوگیا تو تمام حصے فاسد ہوجائیں گے اور قربانی (کسی کی) درست نہ ہوگی۔سو کسی عالم سے پورا واقعہ صاف صاف بیان کرکے مسئلہ پوچھ لیا کرو۔

مجھ سے بعض لوگوں نے یہ مسائل پوچھے ہیں اس لئے میں کہتا ہوں کہ ان کی طرح کہیں اور کسی نے بھی ایک حصہ میں گھر بھر کے لئے نیت نہ کرلی ہو۔اگر کسی کی طرف سے حصہ کرو تب بھی اس کو خبر کردو۔[۱]

[۱] تعظیم الشعائر،ص ۲۲۶

اللہ کے نام کی برکت سے جانور کا گوشت حلال ہوتا ہے

اللہ کا نام لینے سے (یعنی اللہ کے نام سے ذبح کرنے سے) جانور کے اندر حلت آجاتی ہے اور وہ کھانے کے لائق ہوجاتا ہے، اوراس سے ایک اشکال کا جواب بھی معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ اہل جاہلیت (کفار مکہ) کہا کرتے تھے کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ تمہارا مارا ہوا جانور تو حلال ہواور اللہ کا مارا ہوا حرام یعنی ذبیحہ حلال ہواور مردار حرام؟ اسکا جواب یہاں سے نکل آیا کہ ذبیحہ جو کھانے کے قابل ہوتا ہے وہ بھی اللہ ہی کے نام کی برکت ہے۔ پس دونوں اللہ تعالیٰ ہی کے مارے ہوئے ہیں ہمارا مارا ہوا نہیں کیونکہ جان تو وہی نکالتا، باقی یہ فرق کہ ایک حلال اور ایک حرام (ایسا کیوں؟) تو اسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے، اس کی برکت سے یہاں حلت آئی اور وہاں نہیں لیا گیا اس لئے حرام رہی اور دوسرے فرق کی وجہ یہ ہے کہ ذبیحہ میں دم مسفوح (بہنے والا خون) جو نجس (ناپاک) ہے نکل جاتا ہے اور مردار میں وہ خون تمام بدن میں سما جاتا ہے، پس حلت دونوں باتوں کے مجموعہ کا یعنی ذکر اسم اللہ (اللہ کے نام سے ذبح کرنا) اور خروج دم مسفوح (یعنی بہنے والا خون نکل جانا) کا اثر ہے۔[1]

مالداروں کو قربانی کا گوشت کھانے کے جواز کی دلیل

اور آیت فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ میں كُلُوا سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ مالدار کو بھی (قربانی کا) گوشت کھانا جائز ہے۔ یہ حق تعالیٰ کا بڑا انعام ہے جو رسول اللہ ﷺ کی برکت سے ہم کو عطا کیا۔ ورنہ گزشتہ قوموں میں یہ ہوتا تھا کہ قربانی کو ایک پہاڑ پر رکھ دیتے تھے، ایک آگ آتی تھی جس کی قربانی کو اس نے جلا دیا وہ مقبول ہوتی تھی ورنہ مردود۔[2]

---

[1] الضحایا، ص۱۶۵ [2] الضحایا، ص۱۶۶

قربانی کے گوشت کے متعلق ضروری ہدایت

قربانی کے گوشت میں آپ کو اختیار ہے کہ آپ جس کو چاہیں دیں خواہ مالدار کو خواہ فقیر کو سب جائز ہے۔ مگر قصائی کو گوشت کاٹنے کی اجرت میں ہرگز نہ دیا جائے کہ یہ اجرت میں داخل ہو کر قربانی کے ثواب کو باطل کردے گا۔

گوشت بانٹنے میں اچھا طریقہ یہ ہے کہ اپنے خرچ کے موافق نکال کر باقی فقراء اور عزیز و اقارب کو تقسیم کر دیا جائے۔ اور ان لوگوں کا لحاظ خصوصیت کے ساتھ زیادہ رکھنا چاہئے۔ جو وسعت (اور استطاعت) نہ ہونے کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکتے اور یہ جو آج کل ادلا بدلی ہوتی ہے کہ (جہاں سے گوشت ہمارے یہاں آیا اس کے یہاں ہم بھی پہنچا دیں گے ورنہ نہیں، غریبوں کی ضرورت اور حاجت پر نظر نہیں ہوتی) یہ تو بالکل ہی خلاف عقل ہے، جب ان اہل مبادلہ (یعنی ادلا بدلی کرنے والوں) میں ہر شخص کے یہاں قربانی ہوتی ہے تو پھر ایک دوسرے کے یہاں خواہ مخواہ ہی بھیجنا ہے۔[1]

مشترک قربانی میں مشترک صدقہ جائز ہے

مشترک قربانی میں وزن سے برابر گوشت تقسیم کرنا ضروری ہے ورنہ سود ہو جائے گا

ایک مسئلہ یہ ہے کہ جس کو اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ اگر کئی شخصوں کے حصے ہوں تو سب کو بغیر تقسیم کئے ہوئے یا بعض کو تقسیم کر کے اور بعض کو مشترک طور پر صدقہ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ تو سن لو کہ جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ کچھ مشترک طور پر صدقہ ہو گیا اور بقیہ کو تقسیم کر لیا جائے۔ مگر اندازہ سے بانٹنا حرام ہے، اگر ایک طرف کچھ زیادہ یا کم

[1] سنت ابراہیمؑ ص ۶۴

چلا گیا تو سود کا گناہ ہوا۔ دیکھو اگر چھٹانک بھر بھی ایک طرف زیادہ ہوا تو سود خواروں میں دونوں لکھے جائیں گے ۔ہاں اگر ایک طرف زیادہ گوشت ہو اور دوسری طرف کلّے پائے ہوں تو جائز ہے کیونکہ جنس بدل گئی۔[1]

مؤذن اور امام کو کھال دینا

ایک مسئلہ یہ ہے کہ کھال کا مصرف معلوم کر لینا چاہئے اس میں اکثر مؤذن وغیرہ مولویوں پر خفا ہوتے ہیں کہ انہوں نے ہماری آمدنی کم کر دی، مگر میں ان کو سمجھا تا ہوں کہ ہم کھال دینے سے منع نہیں کرتے ، کھال مؤذنوں ہی کو دو مگر اس طرح جس طرح ہم کہیں کہ اجرت سمجھ کر مت دو، یعنی مؤذن مقرر کرتے وقت یہ نہ کہا جائے کہ بقرعید میں کھال بھی ملا کرے گی۔ یہ تو گویا تنخواہ ہوگئی ، بلکہ اس سے کہہ دو کہ کھال میں تمہارا کوئی حق نہیں ۔اس کے بعد تنخواہ مقرر کردو، جب تنخواہ دے چکو تو کھال بھی دے دو کیونکہ وہ بھی غریب ہے اور کھال میں غریبوں ہی کا حق ہے،تو ہم مؤذنوں کے خیر خواہ ہیں کہ تنخواہ الگ دلوائی کھال الگ دلوائی۔

ہاں یہ جو میں نے کہا کہ کھال بھی دے دو یہ صیغہ وجوب کا نہیں بلکہ امر مستحب ہے، یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ان کی خاطر سے غیر واجب کو ہم واجب کہہ دیں۔

اور یاد رکھو کہ اگر امام ومؤذن کو مسجد میں مقرر کرتے وقت کھال دینے یا نہ دینے کا ذکر بھی نہ ہو تب بھی کھال دینا جائز نہیں کیونکہ المعروف کالمشروط یعنی معروف مثل مشروط کے ہوتا ہے،تو نہ سکوت جائز ہے نہ شرط، ہاں یہ جائز ہے کہ اس وقت نفی کردو اور وقت پر دے دو۔[2]

فائدہ : یہ حکم اس وقت اور اس علاقہ کا ہے جہاں مؤذن وغیرہ کو قربانی کی کھال تنخواہ میں دینے کا عرف ورواج ہو، ورنہ جہاں اس کا رواج نہ ہو تو محض سکوت بھی جائز ہے،صراحۃً نفی کرنا کہ ''تم کو کھال نہ دی جائے گی'' ضروری نہیں۔ واللہ اعلم۔ مرتب

---

[1] [2] تعظیم الشعائر ص ۲۳۴

کلہ اور پارچے کمینوں کا حق نہیں

اور ایک مسئلہ یہ ہے کہ کلہ پارچوں میں کمینوں کا حق سمجھا جاتا ہے تو اگر حق الخدمت سمجھ کر دیا تو اس قدر گوشت کے برابر صدقہ کرنا واجب ہے گو لوگ تو یہ کہا کرتے ہیں کہ قربانی ہی نہ ہوگی تاکہ لوگ اس کو چھوڑ دیں اور بالکل نہ کریں کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس قدر گوشت کی قیمت کا صدقہ کردو تو لوگ دینا تو چھوڑیں گے نہیں اور صدقہ بھی نہ کریں گے مگر میں اس کو پسند نہیں کرتا، احکام صاف صاف ہم کو بیان کردینا چاہئے جس کا دل چاہے مانے یا نہ مانے۔[1]

قربانی کی کھال خود استعمال کرنا بھی جائز ہے

اور کسی مالدار کو خود کھال کا دے دینا یا اپنے کام میں لانا (بغیر کسی کراہت وقباحت کے) جائز ہے۔ مثلاً ڈول (یا تھیلا وغیرہ) بنوالو، مگر ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگر اپنے کام میں لاؤ اور وہ شئی پرانی ہوکر فروخت ہو تو یہ دام پھر خیرات کرنے پڑیں گے۔ جیسے ڈول (یا بستر) بنوالیا اور وہ پرانا ہوگیا اور اس کو فروخت کیا تو ان داموں کو خیرات کرنا ضروری ہے، اور اس کا مصرف بھی وہی ہے جو تازی کھال کے داموں کا ہے کہ سید کو اور مالدار کو اس کا دینا ناجائز ہے۔[2]

قربانی کے بعض مسائل میں غریب اور مالدار کا فرق

ایک مسئلہ یاد کرنے کے قابل اور ہے جس کی بہت ضرورت ہوتی ہے کہ اگر مالدار (صاحب نصاب) قربانی کرے تو اس کے اور احکام ہیں اور (اگر غریب قربانی کرے تو اس کے اور احکام ہیں)

---

[1] تعظیم الشعائر ص ۲۳۳ [2] تعظیم الشعائر ص ۲۳۵

اگر قربانی کرنے والا مالدار ہوتو یہ حکم ہے کہ اگر وہ کوئی حصہ خریدے تو اس کو جائز ہے کہ اس کے عوض میں دوسرا بدل لے اور اگر دوسرا حصہ خرید لیا اور پہلا بھی موجود تھا تو اس کے ذمہ ایک ہی واجب ہے۔ لیکن اگر دوسرا حصہ پہلے سے کم قیمت کا ہوتو درمیانی قیمت کا صدقہ کرنا مستحب ہے۔ مثلاً پہلا حصہ تین سو روپئے کا تھا اور دوسرا حصہ دوسو روپئے کا تو مالدار کو سو روپئے صدقہ کردینا مستحب ہے۔ اور اگر دونوں (جانوروں) کو ذبح کردے تو بہتر ہے۔

اور اگر وہ (قربانی کرنے والا غریب) محتاج ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اسکے ذمہ ابتداء قربانی واجب نہیں مگر جانور خریدنے سے واجب ہوجاتی ہے (جبکہ قربانی کی نیت سے جانور خریدا ہو) تو جتنے جانور یا جتنے حصے (قربانی کی نیت سے) خریدے گا سب کی قربانی واجب ہوجائے گی۔ البتہ اگر حصہ اپنا بدل لے تو ایک ہی حصہ واجب رہتا ہے۔

اور حصوں کے وجوب میں لوگ کہا کرتے ہیں کہ غریب پر زیادہ سختی ہے۔ حالانکہ شریعت نے کیا کیا اس نے خود اپنے اوپر سختی کی کہ اول ایک جانور خریدا پھر دوسرا خرید لیا تو شریعت نے سختی کہاں کی بلکہ اس کی تو یہاں تک رعایت ہے کہ اگر غریب کا جانور مرجائے تو اس کے ذمہ سے قربانی ساقط ہے، دوسرا جانور خریدنا واجب نہیں اور اگر مالدار کا جانور مرجائے تو دوسرا خرید کر قربانی کرنی پڑے گی۔ پس مسئلہ یہ ہے کہ اگر مالدار اپنے حصہ کو یا جانور کو تبدیل کرے تو جائز ہے۔ مگر درمیانی قیمت کا صدقہ واجب ہے، اور اگر مالدار نے قربانی کی نیت سے کئی جانور خرید لئے تو اس کے ذمہ ایک ہی واجب ہے، اور فقیر اگر ایک دو تین جانور خرید لے تو سب کی قربانی واجب ہے۔ خوب سمجھ لو۔

مگر حصہ بدلنے کی صورت نازک ہے۔ اگر غریب نے ایک حصہ خریدا، پھر اسکو بدلنا چاہا تو اگر یہ کیا کہ دوسرا حصہ خرید کر پھر نیت پہلے کے بیچنے کی رکھی تو اس صورت میں دونوں واجب ہوگئے، تو اس کو یوں کرنا چاہئے کہ دوسرا حصہ پہلے دوسرے آدمی کو خریدنے دے اس کے بعد اپنے حصے سے بدل لے تو غریب کو شریک قربانی کرنا مشکل ہے۔[1]

[1] تعظیم الشعائر ملحقہ سنت ابراہیم، ص ۲۳۹

مالدار اور غریب کے مسئلہ میں ایک اشکال اور اس کا جواب

سوال: بہشتی زیور میں مسئلہ لکھا ہے کہ ’’اگر قربانی کا جانور کہیں گم ہوگیا اس لئے دوسرا خریدا پھر وہ پہلا بھی مل گیا اگر امیر آدمی کو ایسا اتفاق ہو تو ایک ہی جانور کی قربانی اس پر واجب ہوگی‘‘۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ غریب پر دونوں جانور کا بار اور امیر پر صرف ایک جانور کا بار۔

الجواب: اس بار کی وجہ خود اس غریب کا دوسرا جانور خرید کر لینا ہے، اگر یہ دوسرا جانور نہ خریدتا تو اس کے ذمہ کچھ بھی نہ تھا، پھر اگر پہلا بھی مل جاتا تو اس کے ذمہ وہی ایک رہتا کہ وہ بھی خریدنے ہی سے واجب ہوا تھا سو جب اس نے دوسرا خرید لیا وہ بھی واجب ہوگیا، اور امیر آدمی پر خود شروع سے قربانی واجب ہے گو نہ خریدے تب بھی خریدنا واجب ہے، اور یہ واجب ایک ہے پس خواہ یہ کتنے ہی خریدے وہ ایک ہی واجب رہے گا، اور اگر پہلا نہ ملتا تو دوسرا خریدنا واجب ہوتا، اور غریب آدمی جتنے خریدتا جائے گا سب واجب ہوجائیں گے[1]

بٹائی کے جانور کی قربانی نہ کرنا چاہئے

ایک صورت یہ ہے کہ جانور کی ملک تو ہوجاتی ہے مگر خبیث ہوتی ہے جیسے حصہ پر جانور لیتے ہیں جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص نے اپنی گائے کا بچہ کسی دوسرے کو پالنے کے واسطے دیا اور اجرت یہ قرار دی کہ جب یہ بڑا ہوجائے گا تو اسکی قیمت لگا کر نصف نصف بانٹ لیں گے۔ یا تو مالک آدھی قیمت دے کر اس کو لے لے گا یا پالنے والا آدھی قیمت دے کر لے لے گا۔ یہ عقد ناجائز ہے، مگر پہلی صورت میں کہ مالک نے پالنے والے کو آدھی قیمت دے کر جانور اپنے پاس رکھا اس جانور میں کوئی خباثت نہیں وہ حلال طیب ہے، اگرچہ عقد فاسد کرنے کا گناہ ہوگا۔ اور دوسری صورت میں کہ پالنے والا جانور کو لے اور مالک کو آدھی قیت دے اسکی ملک خبیث ہے اور برابر خبیث رہے گی اس

[1] امداد الفتاویٰ ص۵۶۶ ج۳



لئے ایسے جانور کی بھی قربانی جائز نہیں کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَایَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبٌ ۔اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور پاک ہی چیز کو قبول فرماتے ہیں۔ اگرچہ قربانی کر دینے سے واجب ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ مگر مقبول نہیں۔[1]

[1] تعظیم الشعائر، ص ۲۳۳



باب۱۰

قربانی کے مختصر فضائل ومسائل،طریقہ

ماخوذ از بہشتی زیور

قربانی کی فضیلت

قربانی کا بڑا ثواب ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ان دنوں میں یہ نیک کام سب نیکیوں سے بڑھ کر ہے قربانی کرتے وقت یعنی ذبح کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے تو زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول ہو جاتا ہے۔ تو خوب خوشی سے اور خوب دل کھول کر قربانی کیا کرو اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قربانی کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں ہر بال کے بدلے میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ سبحان اللہ بھلا سوچو تو کہ اس سے بڑھ کر اور کیا ثواب ہوگا کہ ایک قربانی کرنے سے ہزاروں لاکھوں نیکیاں مل جاتی ہیں۔ بھیڑ کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں اگر کوئی صبح سے شام تک گنے تب بھی نہ گن پاوے۔ پس سوچو تو کتنی نیکیاں ہوئیں۔ بڑی دینداری کی بات تو یہ ہے کہ اگر کسی پر قربانی کرنا واجب بھی نہ ہو تب بھی اتنے بے حساب ثواب کے لالچ سے قربانی کر دینا چاہئے کہ جب یہ دن چلے جاویں گے تو یہ دولت کہاں نصیب ہوگی۔ اور اتنی آسانی سے اتنی نیکیاں کیسے کما سکے گا اور اگر اللہ نے مالدار اور امیر بنایا تو مناسب ہے کہ جہاں اپنی طرف سے قربانی کرے جو رشتہ دار مر گئے ہیں جیسے ماں باپ وغیرہ ان کی طرف سے بھی قربانی کر دے کہ ان کی روح کو اتنا بڑا ثواب پہنچ جاوے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کی بیبیوں کی طرف سے اپنے پیر وغیرہ کی

طرف سے کردے اورنہیں تو کم سے کم اتنا تو ضرور کرے کہ اپنی طرف سے قربانی کرے کیونکہ مالدار پرتو واجب ہے ،جس کے پاس مال ودولت سب کچھ موجود ہے، اورقربانی کرنااس پرواجب ہے پھربھی اس نے قربانی نہ کی اس سے بڑھ کر بدنصیب اورمحروم اورکون ہوگااور گناہ رہا سوالگ۔

قربانی کاطریقہ

جب قربانی کا جانورقبلہ رخ لٹادے تو پہلے یہ دعا پڑھے۔اِنِّی وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالِمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ،وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ .اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ

پھر بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کرذبح کرےاورذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلَہٗ مِنِّی کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٌ وَّخَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمُ عَلَیْھِمَا الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ .

مسئلہ :قربانی کرتے وقت زبان سے نیت پڑھنااوردعا پڑھنا ضروری نہیں ہے اگر دل میں خیال کرلیا کہ میں قربانی کرتا ہوں اورزبان سے کچھ نہیں پڑھا فقط بسم اللہ اللہ اکبر، کہہ کرذبح کردیا تو بھی قربانی درست ہوگئی اگر یادہوتووہ دعا پڑھ لینا بہتر ہے جواوپر بیان ہوئی۔

مسئلہ : اپنی قربانی کواپنے ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے،اگرخود ذبح کرنا نہ جانتا ہوتو کسی اورسے ذبح کروالے اورذبح کے وقت وہاں جانور کے سامنے کھڑا ہوجانا بہتر ہے، اوراگر(کسی عورت کے نام کی قربانی ہےاور وہ)ایسی جگہ ہے کہ پردہ کی وجہ سے سامنے نہیں کھڑی ہوسکتی تو بھی کچھ حرج نہیں۔

قربانی کا وجوب

مسئلہ : جس پر صدقۂ فطر واجب ہے اس پر بقرعید کے دنوں میں قربانی کرنا بھی واجب ہے اور اگر اتنا مال نہ ہو جتنے کے ہونے سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے لیکن پھر بھی اگر کر دیوے تو بہت ثواب پاوے۔

مسئلہ : مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

مسئلہ : دسویں، گیارہویں، بارہویں تاریخ سفر میں تھا پھر بارہویں تاریخ سورج ڈوبنے سے پہلے گھر میں پہنچ گیا یا پندرہ دن کہیں ٹھہرنے کی نیت کر لی تو اب قربانی کرنا واجب ہو گیا اسی طرح اگر پہلے اتنا مال نہ تھا اس لئے قربانی واجب نہ تھی پھر بارہویں تاریخ سورج ڈوبنے سے پہلے کہیں سے مال مل گیا تو قربانی کرنا واجب ہے۔

مسئلہ :قربانی فقط اپنی طرف سے کرنا واجب ہے اولاد کی طرف سے واجب نہیں بلکہ اگر نابالغ اولاد مالدار بھی ہو تب بھی اس کی طرف سے کرنا واجب نہیں نہ اپنے مال میں سے نہ اس کے مال میں سے اگر کسی نے اس کی طرف سے قربانی کر دی تو نفل ہو گئی لیکن اپنے ہی مال میں سے کرے اس کے مال میں سے ہرگز نہ کرے۔

قربانی کا وقت

مسئلہ : بقرعید کی دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کی شام تک قربانی کرنے کا وقت ہے چاہے جس دن قربانی کرے لیکن قربانی کرنے کا سب سے بہتر دن بقرعید کا دن ہے پھر گیارہویں تاریخ پھر بارہویں تاریخ۔

مسئلہ :بقرعید کی نماز ہونے سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں ہے، جب لوگ نماز پڑھ چکیں تب کرے البتہ اگر کوئی کسی دیہات میں اور گاؤں میں رہتا ہو تو وہاں طلوع صبح صادق کے بعد بھی قربانی کر دینا درست ہے، شہر کے اور قصبہ کے رہنے والے نماز کے بعد کریں۔

مسئلہ :اگر کوئی شہر کا رہنے والا اپنی قربانی کا جانور کسی گاؤں میں بھیج دیوے تو اس کی قربانی بقرعید کی نماز سے پہلے بھی درست ہے، اگر چہ خود وہ شہر ہی میں موجود ہے لیکن جب قربانی دیہات میں بھیج دی تو نماز سے پہلے قربانی کرنا درست ہو گیا۔ ذبح ہو جانے کے بعد اس کو منگوالے اور گوشت کھاوے۔

مسئلہ :بارہویں تاریخ سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے قربانی کرنا درست ہے، جب سورج ڈوب گیا تو اب قربانی کرنا درست نہیں۔

مسئلہ :دسویں سے بارہویں تک جب جی چاہے قربانی کرے چاہے دن میں چاہے رات میں لیکن رات کو ذبح کرنا بہتر نہیں کہ شاید کوئی رگ نہ کٹے اور قربانی درست نہ ہو۔

قربانی کے جانور اور ان کے حصے

مسئلہ :بکری، بکرا، بھیڑ، دنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی اتنے جانوروں کی قربانی درست ہے، اور کسی جانور کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ :گائے بھینس اونٹ میں اگر سات آدمی شریک ہو کر قربانی کریں تو بھی درست ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور سب کی نیت قربانی کرنے کی یا عقیقہ کی ہو صرف گوشت کھانے کی نیت نہ ہو۔ اگر کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہو گا تو کسی کی قربانی درست نہ ہوگی۔ نہ اسکی جس کا پورا حصہ ہے نہ اسکی جس کا ساتویں سے کم ہے۔

مسئلہ :اگر گائے میں سات آدمیوں سے کم لوگ شریک ہوئے جیسے پانچ آدمی شریک ہوئے یا چھ آدمی شریک ہوئے اور کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں تب بھی سب کی قربانی درست ہے، اور اگر آٹھ آدمی شریک ہو گئے تو کسی کی قربانی صحیح نہیں ہوئی۔

مسئلہ :قربانی کے لئے کسی نے گائے خریدی اور خریدتے وقت یہ نیت کی کہ اگر کوئی اور مل گیا تو اسکو بھی گائے میں شریک کر لیں گے اور ساجھے میں قربانی کریں گے۔ اس کے

بعد کچھ اورلوگ اس گائے میں شریک ہوگئے تو یہ درست ہے، اوراگرخریدتے وقت اس کی نیت شریک کرنے کی نہ تھی بلکہ پوری گائے اپنی طرف سے قربانی کرنے کاارادہ تھا تواب اس میں کسی اور کا شریک ہونا بہتر تو نہیں ہے لیکن اگرکسی کوشریک کرلیاتو دیکھنا چاہیئے کہ جس نے شریک کیا ہے وہ امیر ہے کہ اس پرقربانی واجب ہے یاغریب ہے جس پرقربانی واجب نہیں اگرامیر ہے تو درست ہے اوراگرغریب ہے تو درست نہیں۔

مسئلہ :اگرقربانی کا جانورکہیں گم ہوگیااس لئے دوسراخریداپھروہ پہلابھی مل گیااگر امیر آدمی کوایسا اتفاق ہواتوایک ہی جانورکی قربانی اس پرواجب ہے اوراگرغریب آدمی کوایسااتفاق ہواتو دونوں جانوروں کی قربانی اس پرواجب ہوگی۔

مسئلہ :سات آدمی گائے میں شریک ہوئےتوگوشت بانٹتے وقت اٹکل سے نہ بانٹیں بلکہ خوب ٹھیک ٹھیک تول کر بانٹیں نہیں تواگرکوئی حصہ زیادہ کم رہے گا توسود ہوجاوے گا اورگناہ ہوگاالبتہ اگرگوشت کے ساتھ پائے اورکھال کوبھی شریک کرلیاتوجس طرف کلہ پائے یا کھال ہواس طرف اگرگوشت کم ہودرست ہے۔چاہیئے جتنا کم ہوجس طرف گوشت زیادہ تھااس طرف کلہ پائے شریک کئےتو بھی سود ہوگیااورگناہ ہوا۔

کس قسم کے جانوروں کی قربانی درست نہیں

مسئلہ :بکری سال بھرسے کم کی درست نہیں جب پورے سال بھرکی ہوتب قربانی درست ہے۔اورگائے بھینس دوبرس سے کم کی درست نہیں۔پورے دوبرس ہوچکیں تب قربانی درست ہے۔اوراونٹ پانچ برس سے کم کا درست نہیں ہے۔اوردنبہ یا بھیڑ اگراتناموٹا تازہ ہوکہ سال بھرکا معلوم ہوتا ہواورسال بھروالے بھیڑدنبوں میں اگرچھوڑدوتو کچھ فرق نہ معلوم ہوتوایسے وقت چھ مہینے کے دنبہ اوربھیڑ کی بھی قربانی درست ہے، اوراگرایسا نہ ہوتوسال بھرکا ہوناچاہیئے۔

مسئلہ :جو جانور اندھا ہو یا کانا ہو کہ ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو یا ایک کان تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹ گیا ، یا تہائی دم یا تہائی سی زیادہ کٹ گئی ہو تو اس جانور کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ :جو جانور اتنا لنگڑا ہے کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہے چوتھا پاؤں رکھا ہی نہیں جاتا یا چوتھا پاؤں رکھتا تو ہے لیکن اس سے چل نہیں سکتا اسکی بھی قربانی درست نہیں اور اگر چلتے وقت وہ پاؤں زمین پر ٹیک کر چلتا ہے تو چلنے میں اس سے سہارا لگتا ہے لیکن لنگڑا کر چلتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ :اتنا دبلا بالکل مریل جانور جس کی ہڈیوں میں بالکل گودا نہ رہا ہو اس کی قربانی درست نہیں ہے اور اگر اتنا دبلا نہ ہو تو دبلے ہونے سے کچھ حرج نہیں اس کی قربانی درست ہے، لیکن موٹے تازے جانور کی قربانی کرنا زیادہ بہتر ہے۔

مسئلہ :جس جانور کے بالکل دانت نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں اور اگر کچھ دانت گر گئے لیکن جتنے گرے ہیں ان سے زیادہ باقی ہیں تو اسکی قربانی درست ہے۔

مسئلہ :جس جانور کے پیدائش ہی سے کان نہیں اس کی بھی قربانی درست نہیں ہے اور اگر کان تو ہیں لیکن بالکل ذرا ذرا سے چھوٹے چھوٹے ہیں تو اس کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ :جس جانور کے پیدائش ہی سے سینگ نہیں یا سینگ تو تھے لیکن ٹوٹ گئے اسکی قربانی درست ہے، البتہ اگر بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں تو قربانی درست نہیں۔

مسئلہ :خصی یعنی بدھیا بکرے اور مینڈھے وغیرہ کی بھی قربانی درست ہے، جس جانور کے کھجلی، خارش ہو اس کی بھی قربانی درست ہے، البتہ اگر خارشت کی وجہ سے بالکل لاغر ہو گیا ہو تو درست نہیں۔

مسئلہ :اگر جانور قربانی کے لئے خرید لیا تب کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جس سے قربانی درست نہیں تو اس کے بدلے دوسرا جانور خرید کر کے قربانی کرے۔ہاں اگر غریب آدمی ہو جس پر قربانی واجب نہیں تو اس کے واسطے درست ہے، وہی جانور قربانی کر دے۔

قربانی کے گوشت اور کھال سے متعلق ضروری مسائل

مسئلہ :قربانی کا گوشت آپ کھاوے اور اپنے رشتے ناتے کے لوگوں کو دیدے اور فقیروں محتاجوں کو خیرات کرے اور بہتر یہ ہے کہ کم سے کم تہائی حصہ خیرات کرے۔ خیرات میں تہائی سے کمی نہ کرے لیکن اگر کسی نے تھوڑا ہی گوشت خیرات کیا تو بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔

مسئلہ: قربانی کی کھال یا تو یوں ہی خیرات کر دے اور یا بیچ کر اسکی قیمت خیرات کر دے وہ قیمت ایسے لوگوں کو دے جن کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست ہے اور قیمت میں جو پیسے ملے ہیں بعینہٖ وہی پیسے خیرات کرنا چاہئے اگر وہ پیسے کسی کام میں خرچ کر ڈالے اور اتنے ہی پیسے اور اپنے پاس سے دے دیئے تو بری بات ہے مگر ادا ہو جاویں گے۔

مسئلہ :اس کھال کی قیمت کو مسجد کی مرمت یا کسی نیک کام میں لگانا درست نہیں ۔خیرات ہی کرنا چاہئے۔

مسئلہ :اگر کھال کو اپنے کام میں لاوے جیسے اسکی چھلنی بنوالی یا مشک یا ڈول یا جائے نماز بنوالی یہ بھی درست ہے۔

مسئلہ : کچا گوشت یا چربی یا چھیچھڑے قصائی کو مزدوری میں نہ دیوے بلکہ مزدوری اپنے پاس سے الگ دیوے۔

مسئلہ : قربانی کی رسی جھول وغیرہ سب چیزیں خیرات کر دے۔

مسئلہ :کسی پر قربانی واجب نہیں تھی لیکن اس نے قربانی کی نیت سے جانور خرید لیا تو اب اس جانور کی قربانی واجب ہوگئی۔

مسئلہ :کسی پر قربانی واجب تھی لیکن قربانی کے تینوں دن گزر گئے اور اس نے قربانی نہیں کی تو ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کر دیوے اور اگر بکری خرید لی تھی تو وہی بکری بعینہٖ خیرات کر دے۔

مسئلہ :جس نے قربانی کرنے کی منت مانی پھر وہ کام پورا ہو گیا جس کے واسطے منت مانی تھی تو اب قربانی کرنا واجب ہے۔ چاہے مالدار ہو یا نہ ہو اور منت کی قربانی کا سب گوشت فقیروں کو خیرات کر دے نہ آپ کھائے نہ امیروں کو دیوے۔ جتنا آپ نے خود کھایا ہو یا امیروں کو دیا ہو اتنا پھر خیرات کرنا پڑے گا۔

مسئلہ :اگر اپنی خوشی سے کسی مُردے کو ثواب پہنچانے کے لئے قربانی کرے تو اس کے گوشت میں سے خود کھانا، کھلانا بانٹنا سب درست ہے، جس طرح اپنی قربانی کا حکم ہے۔

مسئلہ :لیکن اگر کوئی مردہ وصیت کر گیا ہو کہ میرے ترکہ میں سے میری طرف سے قربانی کی جاوے اور اس کی وصیت پر اسی کے مال سے قربانی کی گئی تو اس قربانی کے تمام گوشت وغیرہ کا خیرات کر دینا واجب ہے۔

مسئلہ :اگر کوئی شخص یہاں موجود نہیں اور دوسروں نے اسکی طرف سے بغیر اس کے امر کے قربانی کر دی تو یہ قربانی صحیح نہیں ہوئی اور اگر کسی جانور میں کسی غائب کا حصہ بدون اسکے امر کے تجویز کر لیا تو اور حصہ داروں کی قربانی بھی صحیح نہ ہوگی۔

مسئلہ :اگر کوئی جانور کسی کو حصہ پر دیا ہے تو یہ جانور اس پرورش کرنے والی کی ملک نہیں ہوا بلکہ اصل مالک کا ہی ہے۔ اس لئے اگر کسی نے اس پالنے والے سے خرید کر قربانی کر دی تو قربانی نہیں ہوگی۔ مگر ایسا جانور خریدنا ہو تو اصل مالک سے جس نے حصہ پر دیا ہے خرید لیں۔

مسئلہ :اگر ایک جانور میں کئی آدمی شریک ہیں اور وہ سب گوشت کو آپس میں تقسیم نہیں کرتے بلکہ یکجا ہی فقراء و احباب کو تقسیم کرنا، یا کھانا پکا کر کھلانا چاہیں تو بھی جائز ہے، اگر تقسیم کریں گے تو اس میں برابری ضروری ہے۔

مسئلہ :قربانی کی کھال کی قیمت کو اجرت میں دینا جائز نہیں کیونکہ اس کا خیرات کرنا ضروری ہے

مسئلہ :قربانی کا گوشت کافروں کو بھی دینا جائز ہے، بشرطیکہ اجرت میں نہ دیا جائے۔

مسئلہ اگر کوئی جانور گابھن ہو تو اسکی قربانی جائز ہے، پھر اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کر دے

[1] بہشتی زیور، جلد ۳، ص ۱۵۸ تا ۱۶۳

باب ۱۱

مسافر قربانی کرنے پر قادر ہو تب بھی اس پر قربانی واجب نہیں

سوال ۶۲۳: مسافر جو مکان میں صاحب نصاب ہے اس کو حالت سفر میں اگر قربانی وفطرہ دینے کی قدرت ہو تو اس پر قربانی یا فطرہ واجب ہوگا یا نہیں اور اگر فی الحال سفر میں مقدار نصاب مال ساتھ نہیں ہے لیکن بوقت ضرورت منگانے پر قادر ہے ایسے شخص پر کیا حکم ہے۔

جواب: ایسے مسافر پر نہ صدقہ فطرہ واجب ہے نہ قربانی اور اگر اس مسافر کے پاس نصاب ساتھ بھی موجود ہو تو قربانی پھر بھی واجب نہیں مگر صدقہ فطر واجب ہے لیکن اگر ایام قربانی میں مقیم ہو گیا تو پھر قربانی واجب ہو جائے گی، سفر سے مراد سفر شرعی ہے (یعنی ۷۷ ستتر کلومیٹر کا سفر) وتجب الأضحية وشرائطها : الإسلام والاقامة واليسار (درمختار)[۱]

جس کا روپیہ کمپنی میں لگا ہو پاس کچھ نہ ہو تو قربانی واجب ہے یا نہیں؟

سوال: بکر صاحب نصاب ہے مگر اس کا روپیہ تجارتی کمپنی میں دیا ہے اور بغیر ایک سال گزرے روپیہ مل نہیں سکتا غرض بکر کے قبضہ میں نہیں (یعنی ملک ہے قبضہ نہیں) اور بکر اس وقت افلاس کی حالت میں ہے قربانی کرنے کو روپیہ نہیں ہے، نہ قرض مل سکتا ہے تو کیا کیا جائے

الجواب: اگر کوئی چیز ضرورت سے زائد فروخت کر کے قربانی کر سکے تو واجب ہوگی ورنہ نہیں[۲]

---

[۱] امداد الفتاوی صفحہ ۵۵۹ ج ۳ [۲] ردالمحتار، امداد الفتاوی ص ۵۵۳ ج ۳

بجائے قربانی کے اتنی رقم خیرات کرنا جائز نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ جو جنگ آج کل جاری ہے جس کا منشاء قطعی طور پر سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ عیسائی سلطنتیں اسلام کو خدانخواستہ مٹانا چاہتی ہیں اور اگر اس لڑائی میں ترکوں کو شکست ہوگئی تو بظاہر پھر حرمین شریفین کی حفاظت کی اور کوئی صورت نظر نہیں آتی کیا ایسی حالت میں یہ جائز ہے کہ بجائے قربانی کرنے کے جانور کی قیمت ترکوں کے امدادی سرمایہ میں دے دی جائے اگر ایسا کیا جائے تو کیا مسلمان قربانی کے فریضہ سے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔

اور جو لوگ قربانی کریں ان کو اس موقعہ پر قربانی کی کھال سرمایہ مذکور یعنی ترکوں کی امداد میں دینا بہتر ہے یا مدارس اسلامیہ میں دینا افضل ہے۔

الجواب: خود قربانی کی قیمت دینے سے تو واجب قربانی ادا نہ ہوگی اگر کسی نے ایسا کیا گناہ گار ہوگا، **لان الابدال لاتنصب بالرأی کما صرح به الفقهاء**

البتہ چرم قربانی کی قیمت اس وقت مدارس میں دینے کی نسبت اس چندہ میں دینا بہتر ہے ہاں ضرورت شدیدہ مستثنیٰ ہے۔

شرعی حیلہ:

لیکن اس چرم قربانی کی قیمت کا دینا اس طرح ہونا چاہئے کہ اول کوئی مسکین کوئی خاص مقدار روپیہ کسی سے قرض لے کر اس چندہ میں داخل کرے پھر چرم کی قیمت اس مسکین کو بطور مالک دے دی جائے، اور وہ مسکین اس سے اپنا قرضہ ادا کرے، اگر چرم کی قیمت براہ راست اس چندہ میں دے دیجائے گی ادا نہ ہوگی (کیونکہ مالک بنانا ضروری ہے)[1]

[1] امداد الفتاوی ص ۵۵۵ ج ۳

قربانی نہیں کی تو اب اس کی قیمت کا باپ، دادا، اولاد کے علاوہ کسی غریب کو صدقہ کرنا ضروری ہے

سوال: قربانی جس کے ذمہ واجب تھی اس نے اپنی سستی سے ایام قربانی میں نہ کی، ایام گزرنے کے بعد جب وہ قربانی کی قیمت خیرات کرے تو اصول یا فروع (یعنی باپ دادا اولاد) یا کافر کو خیرات کرسکتا ہے اگر وہ مفلس حاجت مند ہوں یا نہ ہوں۔

الجواب: فقہا کے کلام میں اس باب میں یہ الفاظ ہیں (تصدق بقیمتها) جو وجوب تصدق پر دال ہے (یعنی جس کا مقتضی یہ ہے کہ صدقہ کرنا واجب ہے) اور صدقہ واجبہ کا مذکورین فی السوال (باپ دادا اولاد کافر جن کا سوال میں ذکر کیا گیا ان) پر صرف کرنا جائز نہیں۔[1]

کئی لوگوں کی طرف سے قربانیاں کردیں لیکن جانور نامزد متعین نہیں کیا تو قربانی ہوگی یا نہیں

سوال: زید اور عمر دو بھائی ہیں، ان کا مال ایک جگہ جمع ہے اور کھانا پینا علیحدہ ہے یہ ہمیشہ اس مال میں سے قربانی کرتے ہیں، مگر اس طریقہ سے کرتے ہیں کہ حصہ مقرر نہیں کرتے صرف دو حصہ ہوتے ہیں، اور کبھی چار ہوجاتے ہیں، کہ ایک ماں کا، ایک باپ کا، آیا اس طریقہ سے قربانی کرنے سے درست ہوجائے گی یا نہیں، اگر اس طریقہ سے درست نہ ہو تو طریقہ بتلا دیجئے۔

الجواب: صورت مسئولہ میں قربانی درست ہوجائے گی۔[2]

باقی بہتر یہ ہے کہ ہر جانور پر ایک خاص شخص کا نام لگا دیا جائے کہ یہ فلانے کی طرف سے ہے اور وہ فلانے کی طرف سے، اور وہ فلانے کی طرف سے۔[3]

---

[1] امداد الفتاویٰ ص ۵۵۱ [2] عالمگیری ص ۲۰۵ ج ۶ [3] امداد الفتاویٰ ص ۵۶۲ ج ۳

فصل ۱ : جانور سے متعلق ضروری مسائل

خصی جانور کی قربانی

سوال: خصی تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک کے خصیئے مل دیئے جائیں، اور دوسرے کے چڑھا دیتے ہیں اور تیسرے کے نکال دیتے ہیں، ان تینوں میں کون درست ہے، یا تینوں درست ہیں، اور جبکہ خصیہ نکل گیا تو تہائی سے زیادہ عضو بلکہ ثابت عضو جاتا رہا۔

الجواب: تینوں درست ہیں، اور یہ عضو چونکہ مقصود نہیں بلکہ اس اخصاء سے گوشت اور بھی عمدہ ہوجاتا ہے، لہذا اس کا ذھاب (یعنی نکل جانا) مضر نہیں، جیسا کہ عالمگیری میں مجبوب (مقطوع الذکر) کی قربانی کا جواز مصرح ہے۔

سوال: خصی کرنے کے عموماً دو طریقے ہیں ایک یہ کہ مخصوص رگ کو کاٹ کر یا مسل کر، دوسرے شگاف دے کر عضو مخصوص کو قطعی نکال کر ان میں قربانی کس کی درست ہے۔

الجواب: فقہا کے اطلاق سے دونوں صورت جواز کی ہیں اگر دوسری صورت میں عضو فوت ہونے کا شبہ ہو تو فوت وہ مانع ہے جس سے قیمت کم ہوجاتی ہو اور اس سے قیمت اور بڑھ جاتی ہے لہذا مضر نہیں۔

(الغرض) خصی جانور کی قربانی درست ہے خواہ عضو چیر کر نکال دیا ہو یا مل کر بیکار کر دیا ہو۔[۱]

تنبیہ: بعض لوگ بدھیا جانور کی قربانی درست نہیں سمجھتے سو یہ خیال غلط ہے بلکہ بدھیا (یعنی خصّی) جانور کی تو اور زیادہ فضیلت ہے۔ ہمارے پیغمبر ﷺ نے بدھیا دنبہ کی قربانی فرمائی۔[۲]

---

[۱] امداد الفتاویٰ ص ۵۵۰۔ ص ۵۴۹ ج ۳ [۲] اغلاط العوام ملحقہ اصلاحی نصاب ص ۵۰۵

مخنث جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں

سوال: ”فی العالمگیریة لایجوز التضحیة بالشاة الخنثی لان لحمها لاینطبخ، وفی الدر المختار ولا بالخنثیٰ لان لحمها لا ینضج“ یہ روایت صحیح ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے اتفاقاً خنثی بکرے کی قربانی کرلی اور وہ علت عدم جواز کی نہ پائے گئی یعنی گوشت اچھی طرح سے پک گیا تو قربانی جائز ہوگی یا نہیں، خنثی سے مطلق خنثی مراد ہے یا خنثی مشکل یہاں کے علماء اس باب میں دو فریق ہوگئے، حضرت کے جواب کے لئے سب منتظر ہیں،

الجواب: درمختار کے قول مذکور کے تحت صاحب ردالمحتار نے کہا ہے ”وبهذا التعليل اندفع ما أورده ابن وهبان من أنها لاتخلوا إما أن تكون ذكراً أو انثى وعلى كل تجوز“ [۱]

اس تقریر سے دو امر مستفاد ہوئے ایک یہ کہ لان لحمها علت ہے حکمت نہیں اور ظاہر ہے کہ علت کے ارتفاع سے حکم مرتفع ہوجاتا ہے پس جب گوشت اچھی طرح پک گیا تو قربانی کو صحیح کہا جائے گا، دوسرا امر یہ مستفاد ہوا کہ خنثی سے مراد خنثی مشکل ہے مطلق خنثی نہیں ”کما يدل عليه قوله “ لاتخلوا إما أن تكون ذكراً أو انثى “ ورنہ ظاہر ہے کہ غیر مشکل کا ذکر یا انثیٰ ہونا متعین ہے، اور اس تقریر سے سوال کے دونوں جزو کا جواب ہوگیا۔ [۲]

بانجھ جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں

سوال: بانجھ گائے کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک وہ جو شروع سے ہی نہیں جنتی، دوسرے وہ جو ایک بچہ جن کر پھر نہ جنے تو ایسی گائے کی قربانی درست ہے یا نہیں ؟

الجواب: درست ہے۔ [۳]

[۱] ص ۳۱۷ ج ۵ [۲] امدادالفتاویٰ ص ۵۷۲ ۔ ج ۳ [۳] امدادالفتاویٰ ص ۵۵۹ ۔ ج ۳

گابھن جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں

سوال: ایک گائے قربانی کی نیت سے خریدی گئی، خریدنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ تو گابھن ہے اور گابھن گائے کی قربانی کو عالمگیری میں مکروہ لکھا ہے، تو اس کے عوض دوسری گائے خرید کر قربان کردے، یا اسی کو رہنے دے، اور سال آئندہ اس کو مع اس کے بچے کے قربانی کردے، قربانی کرنے والا غنی ہے، اور زمانہ قربانی کا ہے۔

الجواب: اگر بچے میں جان نہ پڑی ہو تب تو (اس کے جواز میں) شبہ ہی نہیں ورنہ بہتر ہے کہ دوسری کرلے اور اس گابھن کو جو چاہے کرے البتہ اگر دوسری گائے کم قیمت کی ہو تو قیمت میں جتنا فرق ہے اس کے بقدر خیرات کردے۔[1]

جس جانور کا سینگ ٹوٹ جائے یا خول اتر جائے

جس گائے کا ایک سینگ کا خول اتر جائے اور سینگ کی گودی نہ ٹوٹے اس کی قربانی درست ہے۔[2]

سوال: ایک گائے کے دونوں سینگ جڑ سے ٹوٹ گئے اور اندر کے گودے یعنی ہڈی نہیں ٹوٹی ہے تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: جب گائے کے سینگ ٹوٹ گئے تو اندر کی جو ہڈی جوڑ کی ہے جس کے اندر مغز ہے وہاں تک شکستگی پہنچ گئی پس اس کی قربانی جائز نہیں، گو اندر کی ہڈی نہ ٹوٹی ہو۔[3]

جس جانور کا ایک تھن گرا یا کٹا ہو اس کی قربانی

سوال: ایک گائے جس کا ایک تھن گر گیا ہے اور تین باقی ہیں قربانی کے لئے جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب : فی ردالمحتار "وفی الابل والبقر إن ذهبت واحدة يجوز أو إثنتان لا" (یعنی اونٹ اور گائے میں اگر ایک تھن گر گیا تو جائز ہے اور اگر دو ضائع ہو گئے تو جائز نہیں) اس سے معلوم ہوا کہ ایسی گائے کی قربانی جائز ہے۔[4]

[1] امدادالفتاویٰ ص۵۵۹ ج۳ [2] امدادالفتاوی ج۳ [3] (امدادالفتاویٰ ص۵۴۳۔ج۔۳ [4] امدادالفتاویٰ ص۵۶۳ ج۳

جس بکری کی پرورش سور کے دودھ سے ہوئی ہو اس کی قربانی

بکری کا بچہ جس نے سور کے دودھ سے پرورش پائی ہو حلال ہے، اس کی قربانی بھی درست ہے لیکن کئی روز تک اس کو دوسرا چارا دینا چاہئے ۔[1]

سال پورا ہونے میں صرف ایک دو دن کم ہیں تب بھی اس کی قربانی درست نہیں

سوال: قربانی کا جانور مثلاً بکرا اگر پورا سال ہونے میں ایک آدھ روز کم ہو تو اس کی قربانی ہو سکتی ہے، یا نہیں؟ اسی طرح گائے کے دو سال پورا ہونے میں بھی ایک دو روز کم ہوں تو قربانی ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: نہیں ہوگی' حتی لو ضحی باقل من ذلک شیئا لاتجوز''[2]

سوال: ایک بکرا نہایت فربہ (تندرست) تیار ہو گیا ہے جوان ہے دانت بھی ہیں مگر سال پورا ہونے میں آٹھ یوم کم ہیں اس کی قربانی ہو سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اس کی قربانی درست نہیں ہے۔[3]

کانجی ہاؤس سے نیلامی کا جانور خرید کر قربانی کرنا

کانجی ہاؤس کا عملہ مستولین کے نائب ہیں پس استیلاء تملکاً سے وہ جانور سرکار کی ملک ہو جائے گا، لہٰذا بیع کے وقت اس کو خریدنا جائز ہے، اور جب یہ بیع صحیح سے ملک میں داخل ہو گیا قربانی بھی اس کی درست ہے، البتہ عرفاً بدنامی کا موجب ہے اس لئے بلا ضرورت بدنام ہونا بالخصوص مقتدا کے لئے زیبا نہیں ۔[4]

---

[1] امدادالفتاویٰ ص ۵۴۰۔ ج ۳ [2] عالمگیری ص ۱۹۹۔ ج ۶ [3] عالمگیری، امدادالفتاویٰ ص ۵۶۸۔ ج ۳
[4] امدادالفتاویٰ ص ۵۴۱۔ ج ۳

فصل ۲ : کھال اور گوشت کے متعلق اہم مسائل

قربانی کی کھال کا حکم

قربانی کی کھال (اگر فروخت کردی جائے تو اب اس کی) قیمت کا صدقہ کرنا بطور تبرع کے واجب ہے (چونکہ) چرم قربانی میں تملیک واجب ہے لہذا جس صورت میں تملیک وقبضہ نہ ہو جیسے مساجد، وغیرہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

چندہ ریلوے میں تملیک نہیں ہوتی، اسی لئے اس میں دینے سے ادا نہ ہوگا۔[1]

بیچی ہوئی کھال کی قیمت کا مصرف

فائدہ: قربانی کا گوشت پوست خواہ اپنے کام میں لائے خواہ کسی کو ہدیۃً یا صدقۃً دے، مالک کو اختیار ہے لیکن فروخت کرکے اپنے کام میں لانا جائز نہیں۔ اور اگر فروخت کیا تو اس کا مصرف مثل زکوٰۃ کے ہے۔ اسی طرح جو مالک کا نائب ووکیل ہے اس کو بھی اس قاعدہ کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

تنبیہ: اکثر مدارس عربیہ میں قربانی کی کھال کے داموں کو مہتمم جہاں مدرسہ میں ضرورت ہوتی ہے صرف کرڈالتا ہے یہ بے احتیاطی ہے، صرف مصارفِ زکوٰۃ میں اس کو صرف کرنا چاہئے۔[2]

مدرسہ میں قربانی کی کھال صرف کرنے سے متعلق ضروری احکام

سوال ۵۶۵: قربانی کی کھال یا اس کی قیمت مدارس میں دینا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو مدرسہ کا متولی مہتمم ضرورت کے وقت کھال کو فروخت کرکے کتابیں فرش وغیرہ بنانا یا خریدنا بلاتملیک جائز ہے یا نہیں ؟

---

[1] امداد الفتاوی ص۵۳۴۔ و۵۴۰۔ ج۳ [2] (فروع الایمان ص۴۰۷ ملحقہ اصلاحی نصاب

الجواب : مدارس میں مصارف مختلف ہیں، جائز مصرف میں صرف کرنے کے لئے مدارس میں دینا درست ہے اور متولی ومہتمم تو مالک کا وکیل ہوتا ہے، جو تصرف مالک کو درست ہے متولی کو بھی درست ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) یا تو کھال کسی حاجت مند طالب علم کو دیدے۔

(۲) یا خود کھال کی کوئی چیز بنوالی جائے جیسے کتابوں کی جلدیں یا ڈول جائے (نماز) وغیرہ بنوالے۔

(۳) یا خود کھال کے عوض اگر مل سکے ایسی چیز سے بدل لے جو باقی رہ کر کام آسکے، جیسے فرش، وکتاب ولباس اور اس جیسی چیزیں، اور یہ سب صورتیں قبل بیع ہیں (یعنی کھال کو بیچے بغیر)

اور اگر کھال کو روپے کے عوض بیچ ڈالا تو اس وقت بجز اس کے کہ کسی حاجت مند کو تملیکاً دے دے، (یعنی اس کو مالک بنادے) اور کسی محل میں اس کا صرف کرنا جائز نہیں، سو ان داموں سے کتابیں یا فرش وغیرہ خریدنا درست نہ ہوگا اور اگر ایسا کیا تو ان چیزوں کا صدقہ کرنا واجب ہوگا اور صدقہ کے وقت ان کی قیمت کم ہو جائے تو اس کمی کا اپنے پاس سے ضمان دینا ہوگا، اور وہ ضمان صدقہ کیا جائے گا۔[۱]

مدرسہ کا مہتمم یا مسجد کا متولی کھال کی رقم مدرسہ میں کیوں نہیں لگا سکتا

سوال: قربانی کے بعینہ چمڑے کو یہ کہہ کر کسی مہتمم مدرسہ یا متولی مسجد کو دینا جائز ہے یا نہیں کہ اس کو بیچ کر دام یا جس طرح سے ہو سکے مدرسہ کی عمارت یا مسجد کی عمارت میں لگائے اور اس کی دلیل یا نقل کیا ہے؟۔

الجواب : یہ صریح توکیل ہے اور وکیل کو وہی تصرف جائز ہے جو موکل کو جائز ہے اور تصرف مذکور فی السوال (سوال میں جس تصرف کا ذکر کیا گیا یعنی مدرسہ ومسجد کی عمارت میں لگانا) خود موکل کو بھی جائز نہیں، لہذا وکیل کو بھی جائز نہیں۔[۲]

---

[۱] امداد الفتاویٰ ص ۵۳۵۔ ج۔۳ [۲] امداد الفتاویٰ ص ۵۶۱۔ ج ۳

مسجد کے امام یا متولی کو کھال دینا تا کہ مسجد وغیرہ میں لگا دے، کیسا ہے ؟

سوال :متولی یاامام مسجد جو کہ مالدار ہے اس کو بہ نیت عمارت مسجد یا مصالح مسجد دے دینا اور اس کا فروخت کرنے کے بعد عمارت یا مصالح مسجد میں خرچ کرنا درست ہے یا نہیں۔

الجواب :اگر اس کو مالک بنا دیا ہے تو حکم اس کا اوپر گزرا (کہ اپنے تصرف میں لانا اور فروخت کر کے بھی اپنے کام میں لانا درست ہے)لیکن اگر وہ متولی یا امام مسجد میں صرف نہ کرے تب بھی جائز ہے۔

اور اگر اس کو مالک نہیں بنایا بلکہ وکیل بنایا ہے تو اس کو کوئی ایسا تصرف کرنا جائز نہیں ہے، جو موکل کے لئے ناجائز ہو، اس لئے اس کا یہ تصرف جس کا سوال میں ذکر ہے (کہ مصالح مسجد میں اس کو صرف کر دیا جائے) درست نہ ہوگا۔[۱]

قربانی کی کھال مالدار کو دینا اور اس کا بعد فروخت اپنے استعمال میں لانا درست ہے یا نہیں

سوال :چرم قربانی مالدار کو صدقہ کر دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ مالدار فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت اپنے تصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں۔

الجواب :جلد کا حکم مثل لحم (یعنی گوشت کی طرح ہے) جس طرح قربانی کا گوشت مالدار کو دینا جائز ہے اسی طرح کھال بھی مالدار کو دینا جائز ہے جبکہ اس کو تبرعا دیا جائے اس کی کسی خدمت وعمل کے عوض میں نہ دیا جائے، اور جب اس غنی کی ملک کر دیا جائے اس کو فروخت کر کے اپنے تصرف میں لانا بھی مثل دیگر اموال مملوکہ کے جائز ہے۔[۲]

---

[۱] امداد الفتاویٰ ص ۵۶۰ ج ۳ [۲] امداد الفتاویٰ ص ۵۶۰۔ ج ۳

مالدار کو کھال دینے کی دو شرطیں

مال دار کو بعینہ کھال دیدینا جائز ہے، لیکن اگر اس سے یہ غرض حاصل کرنا ہو کہ اہل قربانی مالدار کو دیں پھر وہ مالدار بیچ کر جہاں چاہے صرف کرے، تو اس کی صحت کے لئے دو شرطیں ہیں، اول یہ کہ دینے والے اسی کو مالک بنانے کی نیت سے دیں ایسا نہ ہو کہ ایک بار اس طریق کے مشتہر کردینے کو کافی سمجھا جائے کیونکہ جب تک دینے والے لفظی تصریح نہ کردیں کہ ہم خاص تم کو ہی دیتے ہیں، تم مالک ہو اس وقت تک ظاہر اور غالب عوام کی حالت سے یہی ہے کہ وہ مدرسہ میں صرف کرنے کی نیت سے دیں گے اور اس صورت میں وہ مالدار مالک نہ ہوگا بلکہ وکیل ہوگا، جس کا بیچنا ایسا ہوگا جیسا کہ صاحب قربانی کا بیچنا، اور پھر اس کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مالک بھی حقیقتاً بنایا جائے صرف حیلہ نہ ہو جس کی علامت اور امتحان یہ ہے کہ اگر یہ مالدار اس کو بیچ کر کے خاص اپنی ضروریات میں خرچ کرے تو اہل عطا کو ناگوار اور گراں نہ ہو، اور اس کی شکایت یا مذمت یا دل میں اس سے کدورت وانقباض نہ کریں اور اگر ان دو شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہوگی تو وہ غنی مالک ہی نہ ہوگا بلکہ وکیل ہوگا، اس کا حکم شرط اول کے بیان کے ضمن میں گزر چکا خوب سمجھ لیا جائے۔

مدرسہ چلانے کی ضرورت سے ناجائز افعال کسی طرح جائز اور مباح نہیں ہوسکتے۔[1]

قربانی کی کھال باپ دادا، اولاد، مالدار اور غیر مسلم کو بھی دینا جائز ہے

سوال: قربانی کی کھال کا جو صدقہ کرنے کا اختیار ہے اس کو اصول یا فروع (یعنی باپ دادا بیٹا پوتا) یا کافر کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

[1] امداد الفتاویٰ ص ۵۳۴ ج ۳، سوال ۵۶۳ کا جواب



الجواب: ہاں دے سکتا ہے "فی الھدایة "واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح" (گوشت اور کھال) دونوں کا حکم ایک ہے اور گوشت دینا ان سب کو جائز ہے، پس عین جلد بھی دینا درست ہے (لیکن اگر بیچ دیا تو اب اس کی قیمت غریب کو صدقہ کرنا ضروری ہے)[1]

مالدار یا سید کو کھال دینا اور اس کا فروخت کر کے اپنے کام میں لانا درست ہے

سوال ۶۳۶: قربانی کی کھال کے عین سے انتفاع جائز ہے پس اسی طرح اگر غنی یا سید کو دے دیا جائے تو بظاہر جائز معلوم ہوتا ہے، البتہ فروخت کر کے غنی کو یا سید کو (قیمت) دینا جائز نہیں ہوگا، کہ تصدق (یعنی اس کا صدقہ کرنا) واجب ہے۔

اب بعد عین کے ہبہ کر دینے کے (یعنی عین کھال کسی سید یا مالدار کو دینے کے بعد خود) سید اور غنی کو فروخت کر دینے اور قیمت اپنے مصرف میں لانے کا اختیار ہے یا نہیں ظاہر تو شق اول ہے (یعنی درست اور جائز ہے)

الجواب: سوال میں جتنا مضمون ہے سب صحیح ہے۔[2]

کھال کے بدلے جو تیل یا کوئی اور سامان لیا جائے اس سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال ۶۴۲: حضرت نے وعظ میں فرمایا تھا جس کا مطلب میں یہ سمجھا ہوں کہ قربانی کی کھال یا اس کے عوض کوئی دوسری چیز قابل استعمال بدل کر کام میں لا سکتے ہیں مگر روپیہ یا ایسی چیز جیسے تیل کہ جس کو خود استعمال نہیں کر سکتے بلکہ اس کو جلا کر روشنی سے نفع اٹھایا

[1] امداد الفتاویٰ ص ۵۵۲۔ ج ۳ [2] امداد الفتاویٰ ص ۵۶۸، ج ۳





جا سکتا ہو، یا روپیہ سے کوئی اور چیز خرید کر نفع اٹھایا جا سکتا ہو تو ایسے تبادلہ کا استعمال جائز نہیں ۔ بلکہ وہ تیل اور روپیہ خیرات کیا جائے، اس کے متعلق عرض ہے کہ اگر تیل سر میں لگایا جائے یا کسی چمڑے یا لکڑی کے دروازوں وغیرہ کے ملنے کے کام میں لایا جائے تو یہ تبادلہ اور استعمال جائز ہوگا یا نہیں۔

الجواب: نہیں کیونکہ یہ انتفاع اس کے بقا کے ساتھ نہیں ہے بلکہ وہ کھپ کر فنا ہو جائے گا جواز اس وقت ہوتا ہے جبکہ بقاء عین یعنی کھال ہی سے کوئی چیز بنا کر نفع اٹھایا جائے یا کھال کے عوض کوئی ایسا سامان لیا جائے مثلاً چادر وغیرہ اور اس سامان ہی سے نفع اٹھایا جائے، تو بقا عین یعنی سامان کے باقی رہتے ہوئے اس سے نفع اٹھانا جائز ہے۔) واللہ اعلم [1]

ایک شریک کا اپنے شرکاء سے کھال خریدنا اور کھال کا اپنے مصرف میں لانا درست ہے

سوال: قربانی کی کھال اگر شریک اپنے حصہ کے علاوہ دوسرے شرکاء سے ان کے حصے خرید لے تو پھر وہ تمام چمڑا خریدنے والا شریک اپنے استعمال میں لا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: لا سکتا ہے۔

سوال: اگر ایک شریک دوسرے شرکاء سے قربانی کی کھال خرید کر خود فروخت کر دے تو۔ (۱) کل قیمت کھال کی خیرات کرنا ہوگی (۲) یا کل قیمت اپنے مصرف میں لا سکے گا (۳) یا بقدر اس حصہ کے جو خریدا تھا اپنے مصرف میں لا سکے گا اور باقی خیرات کر دیگا۔

الجواب: ہاں یہی تیسری صورت ہے۔[2]

کچی کھال کا تبادلہ پختہ کھال سے

سوال: قربانی کے اصل چمڑے خام سے چمڑے پختہ کا تبادلہ برابر یا کچھ قیمت کا جز و خام

[1] امداد الفتاویٰ ص ۵۷۲، ج ۳ [2] امداد الفتاویٰ ص ۵۷۵ ج ۳



کے ہمراہ شامل کر کے لینا جائز ہے یا نہیں، اور ایسے تبادلے کے وقت دونوں چمڑوں کی قیمت کا خیال تبادلہ کرنے والا ضرور کیا کرتا ہے۔

الجواب: جائز ہے، مگر پختہ کے ساتھ قیمت کا شامل ہونا جائز نہیں۔

سوال: اس تبادلہ پختہ چمڑے کو مثل ڈول موڑی وغیرہ اپنے کام میں لانا جائز ہے یا نہیں

الجواب: جائز ہے۔

سوال: اور اگر وہ کسی وقت فروخت کیا جائے تو کیا اس کی قیمت خیرات کرنا چاہئے۔

الجواب: ہاں خیرات کرنا چاہئے۔[1]

سوال: اگر قربانی کی کچی کھال کا تبادلہ پختہ کھال غیر قربانی سے جائز ہو تو پختہ چمڑا دے کر خام چمڑا قربانی والا جس شخص کے پاس تبادلہ میں پہنچے گا وہ شخص اس قربانی کے چمڑے کو فروخت کر کے دام اپنے مصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: لاسکتا ہے۔[2]

قربانی کی کھال یا گوشت وغیرہ قصائی کو اجرت میں دینا جائز نہیں

سوال: قربانی کی کھال قصاب کو اجرت میں دینا یا جانور کی قیمت میں محسوب کرنا جیسا کہ ہمارے زمانے میں اکثر لوگ کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: قربانی کا کوئی جز کھال ہو یا گوشت، اجرت میں قصاب کو دینا یا قیمت میں مجریٰ کرنا سخت ممنوع ہے۔[3]

کھال بیچ کر دوسرا جانور خریدنا اور اس کا گوشت تقسیم کرنا

سوال: جو جانور صدقہ نافلہ کی نیت سے ذبح کیا جائے اس کی کھال میں جو فقراء اور مساکین

[1] امداد الفتاویٰ ص ۵۷۳۔ ج ۳ [2] امداد الفتاویٰ ص ۵۷۵۔ ج ۳ [3] امداد الفتاویٰ ص ۵۴۸۔ ج ۳

کا حق ہے اس طور پر تصرف کرنا کہ کھال بیچ کر کھال کے داموں سے دوسرا جانور صدقہ کی نیت سے لیا جائے اور اس کو ذبح کر کے کھال کی قیمت کے بجائے فقراء اور مساکین کو گوشت تقسیم کیا جائے درست ہے یا نہیں۔

الجواب: درست ہے۔[1]

قربانی کی کھال دے کر محرم میں گوشت لینا

سوال: یہاں چرم قربانی قصاب کو دیتے ہیں اور ان سے بعوض چرم قربانی محرم میں گوشت لیکر خود کھاتے ہیں، اور کھلاتے ہیں اس کا کیا حکم ہے۔

الجواب: جن بلاد میں چرم وزن سے فروخت ہوتا ہے وہاں تو یہ بیع ہی درست نہیں کہ مبادلہ موزون کا موزون سے نسیئاً (یعنی ادھار) ربوٰا ہے اور جن بلاد میں عددا فروخت ہوتا ہے وہاں یہ بیع تو درست ہے جب گوشت کی مقدار وصفت پورے طور سے بیان کر دی جائے، لیکن اس کے عوض میں جو گوشت آئے گا اس سب کا خیرات کرنا مساکین پر واجب ہے، اگر خود کھائے گا یا مالدار کو کھلائے گا اتنی مقدار کی قیمت کا تصدق واجب ہوگا۔

(البتہ بجائے کھال کے اگر گوشت کے عوض کوئی کھانے والی چیز لیلے تو اس کا کھانا جائز ہے)

"فی الدر المختار فان بیع اللحم او الجلد به ای بمستهلک او بدراهم تصدق بثمنه قلت ولاتغلط مما فی رد المحتار عن القنیة اشتری بلحمها ماکولاً فاکله لم یجب علیه التصدق استحساناً"[2]

لأنه مخصوص باللحم دون الجلد، والفرق ان اللحم ماکول دون الجلد، فأقیم ماکول مقام الماکول)

(حاصل کلام یہ ہے کہ کھال کے عوض کوئی کھانے والی چیز خریدے گا تو اس کا کھانا

[1] امداد الفتاویٰ ص ۵۴۰ ج ۳ [2] ردالمحتار ص ۳۲۱ ج ۵

درست نہیں صدقہ ضروری ہے اور گوشت کے عوض کوئی کھانے والی چیز خریدے گا تو درست ہے اور صدقہ ضروری نہیں۔ لیکن اگر گوشت کے عوض پیسے لئے تو اس کا صدقہ ضروری ہوگا، اپنے استعمال میں اس کا لانا درست نہیں۔[1]

قربانی کا گوشت کافر غیر مسلم کو دینا

سوال: قربانی کا گوشت کفار کو دینا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: قربانی گو خود واجب ہو مگر گوشت تقسیم کرنا واجب نہیں، پس وہ ہدیہ ہوگا یا صدقہ نافلہ اور حربی مصالح مستامن کے حکم میں ہے، لہذا اس کو دینا جائز ہے، البتہ جس قربانی کا گوشت تقسیم کرنا واجب ہو (جیسے نذر، ومنت اور وصیت کی قربانی) اس میں سے دینا جائز نہیں۔[2]

قربانی کا گوشت اگر فروخت کردیا جائے تو کیا حکم ہے

سوال: ۱۴۱ اگر شرعی مصلحت سے قربانی کا گوشت فروخت کیا جائے تو کیا حکم ہے، صدقہ واجبہ کا یا غیر واجبہ کا اس کو مدرسین کی تنخواہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں۔

الجواب: گوشت کا حکم مثل کھال کے ہے، اگر فروخت کیا جائے گا تو اسکا حکم صدقہ واجبہ کا ہے، (یعنی غریبوں اور مسکینوں کو صدقہ کرنا ضروری ہوگا) اور مدرسین کی تنخواہ چونکہ دین (قرض اور انکی محنت کا بدل) ہے اس لئے یہ رقم تنخواہ میں نہیں دی جاسکتی۔[3]

قربانی کرانے کے بعد اپنے حصہ کو فروخت کرنا

سوال: ایک عورت نے اپنے خاوند سے پوچھے بغیر قربانی میں حصہ خرید لیا اور قیمت بھی دے دی جس وقت حصہ کا گوشت آیا اس کے خاوند کو قربانی کا قصہ معلوم ہوا اس نے ناراضگی ظاہر کی اور خفا ہو کر کہا کہ اس حصہ کو فروخت کردو اس عورت نے وہ حصہ دوسری عورت کے

[1] امداد الفتاویٰ ص۵۶۴۔ ج۳ [2] امداد الفتاویٰ ص۵۵۱ ج۳ [3] امداد الفتاویٰ ص۵۷۲ ج۳

ہاتھ فروخت کر دیا اور قیمت لے لی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جس نے حصہ خرید لیا اس کو قربانی کا ثواب ہوا یا نہیں۔ پہلی عورت جس نے شروع میں حصہ خرید لیا تھا اگر وہ عورت صاحب نصاب ہو تو کیا حکم ہے اور غیر صاحب نصاب کی صورت میں کیا حکم ہے۔

الجواب : جس دوسری عورت نے گوشت کا حصہ خریدا ہے اس کی قربانی نہیں ہوئی، اور پہلی عورت نے جب حصہ خرید کر ذبح کرا دیا تو اس کی طرف سے قربانی ہوگئی خواہ وہ مالدار ہو یا فقیر اور ہر حال میں اس کو گوشت فروخت کرنا جائز نہیں تھا اور جب گوشت فروخت کر دیا تو اس کے جو دام وصول ہوئے وہ مساکین کا حق ہے اور چونکہ اس نے مساکین کو نہیں دیا اس لئے اب دینا واجب ہوگا۔[1]

نذر اور منت کی قربانی کا گوشت کھانا جائز نہیں

سوال: اضحیۃ منذورۃ (یعنی نذر والی قربانی) سے خود نذر کرنے والے کو کھانا اور مالدار کو کھلانا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب : اضحیۃ منذورۃ سے نہ خود ناذر کو کھانا جائز ہے اور نہ غنی مالدار صاحب نصاب کو کھلانا جائز ہے۔[2]

فائدہ : جب زبان سے نذر کر لے اس کا کھانا تو خود جائز نہیں اور جو نذر نہ کی ہو گو مثل نذر کے اس پر واجب ہو گیا ہو اس کا کھانا جائز ہے۔[3] ص ۵۶۳ ج ۳)

تقسیم سے پہلے شرکاء کسی کو گوشت دے سکتے ہیں یا نہیں

سوال: گائے کی قربانی کا کلہ شرکاء آپس میں راضی ہو کر گوشت تقسیم کرنے سے قبل کسی شخص کو اللہ دے دیں تو یہ قربانی جائز ہے یا نہیں ؟

[1] امداد الفتاویٰ ص ۵۵۴ ج ۳ [2] امداد الفتاویٰ ص ۵۶۳ ج ۳

الجواب : اگر سب نے کسی فقیر کو دے دیا یا مالدار کو دیا لیکن شرکاء میں سے کسی نے قربانی کی نذر نہ کی تھی تو جائز ہے، کیونکہ تقسیم واجب نہیں کہ ترک واجب سے کوئی محذور لازم آئے اور اگر اس میں کوئی ناذر تھا (یعنی جس کی قربانی نذر اور منت کی بنا پر تھی) اور مالدار کو دیا تو جائز نہیں، کیونکہ (اس صورت میں) تقسیم کر کے ناذر کا حصہ فقراء پر صدقہ کرنا واجب ہے، پس قربانی تو جائز ہو جائے گی لیکن ناذر پر اپنے حصے کی قیمت منجملہ کلہ کے صدقہ کرنا واجب ہے۔[1]

[1] درمختار طحطاوی، امداد الفتاویٰ ص ۵۴۹۔ ج ۳

فصل ۳ : ذبح سے متعلق کچھ مسائل

ذبح کے وقت بسم اللہ کہنا بھول گیا تو ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں

سوال :ایک شخص قربانی کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنا بھول گیا جب وہ گلے پر چھری چلا چکا اور چھری بکرے کی گردن میں رکھی ہوئی ہے پھر یاد آئی تو اس نے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ دیا اور وہ غریب مسلمان نمازی تھا اب اس کی قربانی ہوئی یا نہیں ؟

الجواب: متروک التسمیۃ ناسیاً (یعنی جس جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہنا بھول جائے تب بھی وہ جانور) حلال ہے لہٰذا ذبیحہ بھی حلال ہے اور قربانی بھی درست ہے۔[1]

جو بھی ذبح کرنے یعنی چھری چلانے میں شریک ہو اس کا بسم اللہ پڑھنا واجب ہے ورنہ ذبیحہ حلال نہ ہوگا

سوال: ذبح میں بسم اللہ اللہ اکبر معین (مددگار) کو بھی چاہئے اگر نہ کہے تو کیسا ہے ؟

الجواب:تسمیہ (یعنی بسم اللہ اللہ اکبر کہنا) ذبح کرنے والے کے واسطے ہے۔

سوال : مالا بدمنہ میں لکھا ہے کہ ذابح کے معین (مددگار) پر تسمیہ واجب ہے، اگر معین نے تسمیہ نہ کیا تو اس کا کھانا حرام ہو جائے گا، کیا یہ سچ ہے ؟

الجواب :مطلق معین (مددگار) پر تسمیہ (بسم اللہ اللہ اکبر) کہنا واجب نہیں بلکہ خاص اس معین پر واجب ہے، جو کہ ذابح ہونے میں شریک ہو، مثلاً چھری کو دونوں پکڑ کر چلاتے ہوں (بالفاظ دیگر) ذابح پر معین پر تسمیہ واجب نہیں شریک پر واجب ہے۔[2]

---

[1] امداد الفتاویٰ ص ۵۵۸ ج ۳ [2] امداد الفتاویٰ ص ۵۴۷۔ ج ۳

ذبح کے وقت جانور قبلہ رخ ہونا چاہئے یا ذبح کرنے والا یا دونوں

سوال :ذبح میں ذبیحہ (جانور) کا منہ قبلہ کی طرف ہونا شرعاً ضروری ہے یا ذبح کرنے والے کا منہ، یا دونوں کا، اگر کوئی شخص جانور کا منہ قبلے کی طرف یعنی پچھّم کی طرف سر دم پورب کی طرف کر کے لٹادے اور خود دکھن کی طرف کھڑا ہوکر ذبح کرے تو جائز ہے یا نہیں۔

الجواب : ظاہراً فقہا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ذابح (یعنی ذبح کرنے والے شخص) کا منھ قبلے کی طرف ہونا سنت ہے اور سنت بھی مؤکدہ اس کا ترک بلا عذر مکروہ ہے (**کذا فی الدرالمختار ورد المحتار**) باقی ذبیحہ کے متعلق کہیں نظر سے صریحاً نہیں گزرا۔[1]

جانور کی گردن پر قدم رکھ کر ذبح کرنا

سوال : قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت گردن پر قدم رکھ کر ذبح کرنا کوئی سنت کہتا ہے کوئی مستحب کوئی مکروہ، کوئی حرام کہتا ہے، اب بندہ کی عرض یہ ہے کہ ان اقوال میں کون سا قول حق قابل قبول ہے؟

الجواب :مشکوٰۃ شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو دنبوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا، آپ ﷺ اپنے قدم مبارک اس کے صفح یعنی پہلو یا چہرہ پر رکھے ہوئے تھے اور بسم اللہ واللہ اکبر فرما رہے تھے۔ (بخاری ومسلم) یہ تو دلیل نقلی ہوئی، اور عقلی حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اسطرح کرنے سے ذبح میں آسانی ہوتی ہے، اس لئے ایسا کرنا مستحب ہے۔ واللہ اعلم (ترجمہ از عربی ملخصاً)[2]

---

[1] امدادالفتاویٰ ص۔۵۵۹ ج ۳ [2] امدادالفتاویٰ ۳۰۷ ج ۵

عورت اور نابالغ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں

سوال: عورت کا اور نابالغ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عورت کا ذبیحہ اور نابالغ بشرطیکہ ذبح کر سکتا ہو اور بسم اللہ کہے جائز ہے۔[1]

ذبح سے پہلے چھری خوب تیز کرلو

اگر جانور ذبح کرنا ہو تو چھری خوب تیز کرو، اس کو ترسا کر مت مارو، گلا گھونٹنے میں جانور کو کس درجہ تکلیف ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرمایا ہے۔[2]

[1] امداد الفتاویٰ ص۔۵۴۸ ج ۳ [2] تعلیم القرآن ص ۸۳

فصل : ۴

نذر منت کی قربانی اور اس کا حکم

مسئلہ: کسی نے کہا اگر میرا بھائی اچھا ہو جائے تو ایک بکری ذبح کروں گا یا یوں کہا کہ ایک بکری کا گوشت خیرات کروں گا تو منت ہو گئی۔

اگر یوں کہا کہ قربانی کروں گا تو قربانی کے دنوں میں ذبح کرنا چاہئے اور دونوں صورتوں میں اس کا گوشت فقیروں کے سوا اور کسی کو دینا اور خود کھانا درست نہیں، جتنا خود کھا وے یا امیروں کو دے دے اتنا پھر خیرات کرنا پڑے گا۔

مسئلہ: ایک گائے قربانی کرنے کی منت مانی پھر گائے نہیں ملی تو سات بکریاں کر دے۔[1]

نذر کے معتبر اور صحیح ہونے کا شرعی ضابطہ

مشہور روایات میں یہ ہے کہ نذر اس طاعت کی ہوتی ہے جس کی جنس سے کوئی فرض ہو، لیکن علامہ شامیؒ نے معتبرات فقہ سے اس کو ترجیح دی ہے کہ (جس چیز کی نذر کی ہے اس کی جنس سے) خواہ فرض ہو یا واجب (تو نذر درست ہوگی مثلاً) قربانی کے افراد میں سے واجب پایا جاتا ہے لہذا یہ نذر منعقد ہوگی۔[2]

نذر کے صیغے

نذر یمین کے حکم میں ہے، **والایمان مبنیة علی العرف کما فی الدر المختار** (یعنی یمین کے معتبر ہونے کا مدار عرف پر ہے) اس بنا پر جو صیغے عرفاً نذر کے سمجھے جاتے ہیں ان سے نذر منعقد ہوگی، اور جو صیغے عرفاً اس میں مستعمل نہیں ہیں ان سے نذر نہ ہوگی۔

---

[1] بہشتی زیور ص ۱۶۸ ج ۳ [2] (شامی قبل باب الیمین فی الدخول) امداد الفتاوی ص ۵۷۸ ج ۲ سوال ۶۹۳

(مثلا) یہ صیغہ کہ ''ہمارا ارادہ ہے کہ ایک بکرا ذبح کرادیں اور صدقہ کردیں شاید اس سے ہمارا لڑکا اچھا ہوجائے'' (یہ صیغہ) نذر نہیں ہے، اور مثلاً یہ صیغہ کہ ''ہم ہر مہینے دو چار مسکین کھلا دیا کریں گے'' نذر ہے۔ [1]

قربانی کی نذر اور جانور ذبح کرنے کی نذر میں فرق اور اس کا حکم

سوال: ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ یا اللہ بکری کا بچہ اچھا ہوجائے تو اسی بچہ کی قربانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کرونگا، ابھی بکری کا بچہ کم عمر ہے ایک برس کا نہیں ہوا، اگر قربانی نہ کریں تو کیا گناہ ہوگا؟ یا بکری کا بچہ ذبح کرکے خیرات کردینا کہ یا اللہ اس کا ثواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچے کافی ہوگا؟

جواب: نذر کرنے والا اپنی نیت کو دیکھے کہ قربانی سے مراد مطلق ذبح لیا تھا یا اصطلاحی قربانی، اول صورت میں (یعنی جب مطلق ذبح کرنے کی نذر ہو) تو سال پورا ہونے کا انتظار نہ کرے۔ اور دوسری صورت میں جب وہ برس کا (یعنی پورے ایک سال کا) ہوجائے اور ایام اضحیہ بھی آجائیں تو اس وقت ذبح کرے۔ [2]

الغرض قربانی سے مراد اگر مطلق ذبح ہے تو کسی زمان کی قید نہ ہوگی (جب چاہے ذبح کردے) اور اگر تضحیہ مراد ہے تو ایام نحر (قربانی کے دنوں) کی قید ہوگی۔

اور نیز ذبح مراد لینے میں یہ بھی اختیار ہے کہ خواہ ذبح کرکے صدقہ کرے، یا بکری کی قیمت صدقہ کردے، اور بیچ ڈالنے کے بعد بھی دونوں اختیار ہیں خواہ دوسری بکری خرید کر ذبح و صدقہ کرے خواہ وہ قیمت صدقہ کردے۔

اور اگر تضحیہ مراد لیا ہے اور پھر بیچ ڈالا تو اگر کسی خاص سال کی قید لگائی تھی تو اس کی قیمت کا صدقہ کردے، اور اگر کسی سال کی قید نہ لگائی تھی تو ایام النحر میں اس قیمت کی بکری خرید کر قربانی کردے۔ [3]

---

[1] امدادالفتاوی ص ۵۷۲ ج ۲ سوال ۶۸۴ [2] امدادالفتاوی ص ۵۷۸ جلد ۲ سوال ۶۹۳ [3] امدادالفتاوی ص ۵۷۹ ج ۲

(خلاصہ یہ کہ) نذر کرنے والے نے قربانی سے مراد صرف ذبح لیا ہے یا بقرعید کے زمانہ میں قربانی اگر اول مراد لیا ہے تو جب چاہے نذر ادا کر دے، اور اگر ثانی مراد ہے تو خاص ایام نحر (قربانی کے دنوں) میں ادا کرنا ہوگا۔[1]

اولیاءاللہ اور بزرگوں کے نام کی نذر کئے ہوئے جانور کی قربانی کا حکم

سوال : اولیاء اللہ کا نذر کیا گیا بکرا، مرغا، گائے وغیرہ بسم اللہ اللہ اکبر'' کہہ کر ذبح کرنے سے حلال ہے یا نہیں؟

جواب : بزرگوں کی نذر و نیاز کا جانور اگر اس واسطے ذبح کیا جائے کہ وہ بزرگ ہم سے خوش ہوں اور ہمارا کام کر دیں اور ان کو متصرف فی التکوین سمجھے، اور ان سے تقرب کے لئے ذبح کرے اور ذبح سے وہی مقصود ہوں چنانچہ اس زمانہ میں اکثر جاہلوں کا یہی عقیدہ ہوتا ہے تو یہ عقیدہ رکھنے والا مشرک اور ذبیحہ بالکل حرام ہے اگر چہ وقت ذبح اللہ کا نام لیا جائے ، اور اگر اللہ کے واسطے وہ جانور ذبح کیا اور اللہ کے واسطے دے کر اس کا ثواب کسی بزرگ کی روح کو بخش دیا یہ جائز اور حلال ہے۔[2]

سوال : یہاں ایک مزار پر یہ رسم ہے کہ لوگ اس پر منت مانتے ہیں کہ ہمارا یہ کام پورا ہو جائے گا تو ہم ان بزرگوں کی مرغ کا قورمہ پر فاتحہ کریں گے چنانچہ کام پورا ہونے پر مزار کے احاطہ میں کسی قیام پر وہ مرغ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جاتا ہے اور اس کا قورمہ اور روٹی پکا کر مجاور کے پاس لائی جاتی ہے جس میں سے بعد فاتحہ کے کچھ وہ لے لیتا ہے اور کچھ لانے والے کو بطور تبرک واپس کر دیتا ہے آیا وہ قورمہ روٹی وغیرہ مقتدا کے لئے کھانا حلال ہے یا نہیں؟

---

[1] امداد الفتاوی ص ۵۷۱ ج ۲ [2] امداد الفتاوی ص ۵۷۳ ج ۲



الجواب ا:اگراس نذر سے یا بغیر نذر کے اس ذبح سے نیت تقرب لغیر اللہ کی ہوتو ذبیحہ حرام رہے گا اگر چہ اس کے ذبح کے وقت اللہ تعالی کا نام لیا گیا ہو'' **وقد حرم الله تعالی فی المائده ، مَا ذُبِحَ علٰی النُّصُبِ بعد ذکر تحریم مَا اُهِلَّ بِه لِغَيْرِ اللّٰهِ**'' .

۲: صاحب درمختار اپنے زمانہ کے اکثر عوام کی نذر للاموات فساد عقیدہ پر مبنی سمجھتے ہیں اور اکثر لوگوں کو اس میں مبتلا فرماتے ہیں اور جہل کا روز افزوں ہونا ظاہر ہے تو ہمارے زمانہ میں تو بدرجہ اولی اسی حالت کا ظن غالب ہے

۳:اگر نذر للّٰه ہو اور بزرگ کا ذکر بیان مصرف کے لئے ہو وہ جائز ہے۔

۴: جو شئی منذ ور فقراء پر صرف نہیں کی جاتی اس کی نذر بالکل باطل اور ناجائز ہے جیسے چراغ جلانا غلاف چڑھانا۔

۴:اس نذر سے یہ تخصیص لازم نہیں ہو جاتی (کہ اسی مقام کے فقراء پر صرف کرے) بلکہ دوسرے مقام کے فقراء پر صرف کر دینا بھی جائز ہے۔[1]

---

[1] امدادالفتاوی ص ۵۷۵ ج ۲ سوال ۶۸۸



فصل۵

قربانی وعقیقہ کے علاوہ اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے جانور ذبح کرنا

سوال ۶۲۰: جیسا کہ نفل نماز اور روزہ جب چاہے ادا کرے ثواب ہوتا ہے، اسی طرح اگر ذی الحجہ کی دسویں گیارہویں بارہویں تاریخ کے علاوہ اور تاریخوں میں یا دوسرے مہینوں میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے واسطے اللہ تعالی کے نام پر بغیر وجوب کے بکرا ذبح کرے تو ثواب ہوگا یا نہیں ؟

الجواب: (احادیث وروایات نقل کرنے کے بعد) ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ بجز دماء منقولہ کے کہ ان میں سے عقیقہ بھی ہے دوسرے دماء سے تقرّب غیر مشروع ہے نیز ان میں تشبہ بھی ہے مشرکین کے ساتھ کہ وہ تقرّب کے لئے ایسا کرتے ہیں نیز ہمارے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اراقة دم قربة غير معقولة یعنی خلاف قیاس ہے، پس خاص ہوگی وارد کے ساتھ اور صورت مسئولہ عنہا وارد نہیں لہذا بدعت ہے۔[1]

نذر یا شکر کے طور پر یا غریبوں، مسکینوں کو کھلانے یا مریض کے شفایاب ہونے کی غرض سے جانور ذبح کرنے کا حکم

سوال ۶۳۹: زید نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام پورا ہوگیا اور مجھے اس میں کامیابی ہوگئی تو میں اللہ کے نام پر ایک بکرا یا گائے ذبح کروں گا، یا نذر تو نہیں مانی مگر یوں ہی کسی مطلب بر اری کے شکریہ میں کوئی جانور ذبح کر کے اس کا گوشت مساکین اور غرباء کو تقسیم

[1] امداد الفتاویٰ ص۵۵۹ ج۳

کر دیا تو آیا اس کی یہ نذر یا اس کا یہ فعل جائز بھی ہے یا نہیں ؟

الجواب :اگر اس طرح نذر کی کہ میں ذبح کر کے مساکین کو کھلاؤں گا یا دے دوں گا تب تو یہ نذر بالاتفاق منعقد ہو جائے گی ،اور اگر مساکین کو کھلانے یا دینے کا ذکر نہیں کیا صرف اتنا ہی کہا کہ ذبح کروں گا تو اسکی نذر کی صحت میں اختلاف ہے مگر علامہ شامیؒ نے ترجیح صحت کو دی ہے۔[1]

یہ کلام تو نذر میں تھا اور اگر بلا نذر بطور شکر کے ذبح کرے اس میں دو صورتیں ہیں ،ایک یہ کہ خود ذبح مقصود نہیں بلکہ مقصود اعطا یا اطعام مساکین (یعنی غریبوں کو دینا اور مسکینوں کو کھلانا مقصود ہے) اور ذبح محض اس کا ذریعہ ہے سہولت کے لئے ،اور علامت اس تصدق کے مقصود ہونے اور ذبح کے مقصود نہ ہونے کی یہ ہے کہ اگر اتنا ہی اور ویسا ہی گوشت کسی دوکان سے مل جائے تو انشراح خاطر سے اس پر اکتفا کر کے ذبح کا اہتمام نہ کرے ،تب تو یہ ذبح جائز ہے ،اور دوسری صورت یہ ہے کہ خود ذبح ہی مقصود ہو اور ذبح ہی کو مخصوصہ طریقہ شکر و قربت سمجھے سو قواعد سے یہ درست معلوم نہیں ہوتا" **لما ان الإراقة فی غیر محال واردة لم یعرف قربة وھذا لم یرد فیه نقل**"[2]

دفع وبا کے لئے یا مریض کی طرف سے جانور ذبح کرنے کا حکم

اسی طرح خصوصیت کے ساتھ اکثر عوام بلکہ ممتاز لوگوں میں یہ رسم ہے کہ مریض کی طرف سے جانور ذبح کرتے ہیں یا وبا وغیرہ کی دفع کے لئے ایسا ہی کرتے ہیں ،سو چونکہ قرائن قویہ سے ان مواقع پر بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود ذبح ہی مقصود ہے اور اسی کو مؤثر فی دفع البلاء خصوصاً مرض کی حالت میں اس ذبیحہ کو من حیث الذبح فدیہ سمجھتے ہیں سو اس کا حکم بھی قواعد سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے **لما مر من قوله ان الاراقة فی غیر محال واردة الخ ولایقاس علی العقیقة لانه غیر معقول فلایتعدی** بلکہ اعتقاد موثریت یا

[1] امداد الفتاویٰ ص۔۵۶۹ ج ۳ [2] امداد الفتاویٰ ص۔۵۷۰ ج ۳، تفصیلی دلائل اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں

فدائیت کی حالت میں تو نذر بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی لأنه اعتقاد من غير دليل فيكون العمل معه بدعة وبالبدعة لاينعقد النذر البتہ اگر یہاں بھی ذبح مقصود نہ ہو محض اعطا اور اطعام مقصود ہو جس کی علامت اوپر مذکور ہو چکی تب جائز ہے، ولكنه بعيد من حال عوام الناس فالحوط منعهم مطلقاً من مثل هذا اسی طرح اگر تتبع سے کسی موقع پر متکلم فیھا سے کسی روایت کا ورود ثابت ہو جاوے وہاں اس نص کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کر کے جواز کا حکم کردیں گے بشرط سلامت اعتقاد ومن الموثرات وغيرها كما نقل في التفسير المظهرى عن عمر انه ذبح ناقة غالية الثمن لما ختم البقرة شكرا لله تعالىٰ ، فلو ثبت بدليل صريح صحيح ان مقصوده كان الشكر بخصوص طريق الذبح فيحكم على مثله بالجواز ايضاً لكن محض الاحتمال لايكفى لصحة الحكم بالجواز لان الاصل وهو كون الاراقة غير معقول لايعدل عنه لمحض الاحتمال بل الغالب بشهادة الذوق من مثل عمر ان مقصوده كان الاطعام وكان تخصيص الذبيحة لطيب لحمها وغلاء ثمنها هذا ما عندى فى هذا الباب والله اعلم بما عنده من الصواب ، كتبه اشرف على ۲۱/شوال ۱۳۳۳ھ[1]

بیماری سے شفایابی کے لئے بکرا وغیرہ ذبح کرنا

سوال: زید سخت بیمار رہا اس وقت اس کی خویش اور اقارب نے ایک بکرا لا کر زید کی جانب سے ذبح کر کے اس کا گوشت للہ فقراء کو تصدق کر دیا اور یہ عام رواج ہو گیا ہے اور اس طریقہ کو دم نام رکھا ہے آیا یہ طریقہ شرعا کیسا ہے اور اس کا ثبوت کہیں ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ مقصود فدا (یعنی فدیہ اور بدل) ہوتا ہے اور ذبح کی یہ غرض صرف عقیقہ میں ثابت ہے اور جگہ نہیں اس لئے یہ طریقہ بدعت ہے۔[2]

[1] امداد الفتاوی ص۔۵۷۱ ج ۳ [2] امداد الفتاویٰ ۳۰۷ ج ۵

فصل ۶: عقیقہ سے متعلق ضروری احکام

مسئلہ :-جس کے کوئی لڑکا یا لڑکی پیدا ہو تو بہتر ہے کہ ساتویں دن اسکا نام رکھدے اور عقیقہ کر دے، عقیقہ کر دینے سے بچہ کی سب الابلا دور ہوجاتی ہے اور آفتوں سے حفاظت رہتی ہے۔

مسئلہ :-عقیقہ کا طریقہ یہ ہے کہ اگر لڑکا ہو تو دو بکری یا دو بھیڑ اور لڑکی ہو تو ایک بکری یا بھیڑ ذبح کر دے یا قربانی کی گائے میں لڑکے کے واسطے دو حصے اور لڑکی کے واسطے ایک حصہ لے لیوے اور سر کے بال منڈوا دیوے اور بال کے برابر چاندی یا سونا خیرات کر دے اور بچہ کے سر میں اگر دل چاہے تو زعفران لگا دیوے۔

مسئلہ :-اگر ساتویں دن عقیقہ نہ کرے تو جب کرے ساتویں دن ہونے کا خیال کرنا بہتر ہے، اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ جس دن بچہ پیدا ہوا ہو اس سے ایک دن پہلے عقیقہ کر دے یعنی اگر جمعہ کو پیدا ہوا ہو جمعرات کو عقیقہ کر دے اور اگر جمعرات کو پیدا ہوا ہو تو بدھ کو کرے چاہے جب کرے وہ حساب سے ساتواں دن پڑے گا۔

مسئلہ : یہ جو دستور ہے کہ جسوقت بچہ کے سر پر استرا رکھا جاوے اور نائی سر مونڈنا شروع کرے فوراً اسی وقت بکری ذبح ہو، یہ محض مہمل رسم ہے شریعت سے سب جائز ہے چاہے سر مونڈ نے کے بعد ذبح کرے یا ذبح کر لے تب سر مونڈے بے وجہ ایسی باتیں تراش لینا برا ہے

مسئلہ : جس جانور کی قربانی جائز نہیں اس کا عقیقہ بھی درست نہیں اور جس کی قربانی درست ہے اس کا عقیقہ بھی درست ہے۔

مسئلہ : عقیقہ کا گوشت چاہے کچا تقسیم کرے چاہے پکا کر کے بانٹے چاہے دعوت کر کے کھلا دے سب درست ہے۔

مسئلہ : کسی کو زیادہ توفیق نہیں اسلئے اس نے لڑکے کی طرف سے ایک ہی بکری کا عقیقہ کیا تو اس کا بھی کچھ حرج نہیں ہے اور اگر بالکل عقیقہ ہی نہ کرے تو بھی کچھ حرج نہیں۔

مسئلہ : عقیقہ کا گوشت باپ، دادا، نانا، نانی وغیرہ سب کو کھانا درست ہے۔ [۱]

---

[۱] بہشتی زیور ج۳ ص۱۶۳

تنبیہ:- بہت مشہور ہے کہ عقیقہ کا گوشت بچہ کے ماں باپ، نانا، دادا، دادی کو کھانا درست نہیں سواس کی کچھ اصل نہیں ۔اس کا حکم قربانی کا سا ہے۔[1]

عقیقہ کی کھال کا حکم

سوال :-عقیقہ کی کھال کی قیمت کا مصرف کیا ہے اور وہ کھال یا پوست قربانی بعینہ مالدار یا بنی ہاشم کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:-بعینہ مالدار و بنی ہاشم کو دینا درست ہے۔

سوال :-عقیقہ کی کھال سے بھی مثل قربانی کے عقیقہ کرنے والا خود منتفع ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز بنوا کر اپنے کام میں لاوے یا نہیں؟ اور فروخت کرنے کے بعد قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:-اضحیۃ (قربانی) میں جو شرائط واجب ہیں عقیقہ میں محض مستحب ہیں، اس لئے قیمت کا صدقہ کرنا بھی مستحب ہوگا، اور انتفاع بالجلد یعنی کھال سے نفع اٹھانے) کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔[2]

مسئلہ:-عقیقہ کے جانور کی ہڈی توڑنا درست ہے۔

مسئلہ:-اوجھڑی کا کوئی مصرف نہیں جسکو چاہے دے جیسا قربانی میں اختیار ہے۔

مسئلہ:-پوری گائے یا اونٹ کا عقیقہ بھی بلا کراہت جائز ہے۔[3]

---

[1] اغلاط العوام ص۵۰۵ ملحقہ اصلاحی نصاب [2] امداد الفتاوی ج۳ ص۶۱۹

[3] امداد الفتاویٰ ص۶۲۹، ۶۲۱ ج۳







